QuranUrdu.com

تفہیم القرآن

الروم

(۳۰)

QuranUrdu.com

الروم

نام

پہلی ہی آیت کے لفظ غُلِبَتِ الرُّوْمُ سے ماخوذ ہے۔

زمانۂ نُزُول

آغاز ہی میں جس تاریخی واقعے کا ذکر کیا گیا ہے، اس سے زمانۂ نزول قطعی طور پر متعین ہو جاتا ہے۔ اس میں ارشاد ہُوا ہے کہ ’’قریب کی سرزمین میں رُومی مغلوب ہو گئے ہیں۔‘‘ اُس زمانے میں عرب سے متصل رومی مقبوضات اُردُن، شام اور فلسطین تھے اور ان علاقوں میں رومیوں پر ایرانیوں کا غلبہ ۶۱۵ء میں مکمل ہُوا تھا۔ اس لیے پوری صحت کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ سورت اُسی سال نازل ہوئی تھی، اور یہ وہی سال تھا جس میں ہجرتِ حبشہ واقع ہوئی۔

تاریخی پسِ منظر

جو پیشین گوئی اس سورہ کی ابتدائی آیات میں کی گئی ہے، وہ قرآنِ مجید کے کلامِ الٰہی ہونے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسولِ برحق ہونے کی نمایاں ترین شہادتوں میں سے ایک ہے۔ اسے سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اُن تاریخی واقعات پر ایک تفصیلی نگاہ ڈالی جائے جو اِن آیات سے تعلق رکھتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے ۸ سال پہلے کا واقعہ ہے کہ قیصرِروم ماریس (Mauric) کے خلاف بغاوت ہوئی اور ایک شخص فوکاس (Phocas) تختِ سلطنت پر قابض ہو گیا۔ اس شخص نے پہلے تو قیصر کی آنکھوں کے سامنے اس کے پانچ بیٹوں کو قتل کرایا، پھر خود قیصر کو قتل کرا کے باپ بیٹوں کے سر قسطنطنیہ میں برسرِ عام لٹکوا دیے، اور اس کے چند روز بعد اس کی بیوی اور تین لڑکیوں کو بھی مروا ڈالا۔ اس واقعے سے ایران کے بادشاہ خُسرَو پرویز کو روم پر حملہ آور ہونے کے لیے بہترین اَخلاقی بہانہ مل گیا۔ قیصر ماریس اس کا محسن تھا۔ اُسی کی مدد سے پرویز کو ایران کا تخت نصیب ہُوا تھا۔ اسے وہ اپنا باپ کہتا تھا۔ اس بنا پر اُس نے اعلان کیا کہ میں غاصب فوکاس سے اُس ظلم کا بدلہ لوں گا جو اس نے میرے مجازی باپ اور اس کی اولاد پر ڈھایا ہے۔ ۶۰۳ء میں اس نے سلطنتِ روم کے خلاف جنگ کا آغاز کیا اور چند سال کے اندر وہ فوکاس کی فوجوں کو پے در پے شکستیں دیتا ہُوا ایک طرف ایشیائے کوچک میں ایڈیسا (موجودہ اُورفا) تک اور دوسری طرف شام میں حَلَب اور اَنطاکیہ تک پہنچ گیا۔ رُوم کے اَعیانِ سلطنت یہ دیکھ کر کہ فوکاس ملک کو نہیں بچا سکتا، افریقہ کے گورنر سے مدد کے طالب ہوئے۔ اس نے اپنے بیٹے ہِرَقل (Heraclius) کو

QuranUrdu.com

ایک طاقت ور بیڑے کے ساتھ قسطنطنیہ بھیج دیا۔ اس کے پہنچتے ہی فوکاس معزول کر دیا گیا، اس کی جگہ ہِرَقل قیصر بنایا گیا، اور اس نے برسرِ اقتدار آ کر فوکاس کے ساتھ وہی کچھ کیا جو اس نے ماریس کے ساتھ کیا تھا۔ یہ ۶۱۰ء کا واقعہ ہے، اور یہ وہی سال ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے منصبِ نبوت پر سرفراز ہوئے۔

خُسرَو پرویز نے جس اخلاقی بہانے کو بنیاد بنا کر جنگ چھیڑی تھی، فوکاس کے عَزل اور قتل کے بعد وہ ختم ہو چکا تھا۔ اگر واقعی اس کی جنگ کا مقصد غاصب فوکاس سے اس کے ظلم کا بدلہ لینا ہوتا تو اس کے مارے جانے پر اسے نئے قیصر سے صلح کر لینی چاہیے تھی۔ مگر اس نے پھر بھی جنگ جاری رکھی، اور اب اس جنگ کو اس نے مجوسیت اور مسیحیت کی مذہبی جنگ کا رنگ دے دیا۔ عیسائیوں کے جن فرقوں کو رومی سلطنت کے سرکاری کلیسا نے ملحد قرار دے کر سالہا سال سے تختۂ مشقِ ستم بنا رکھا تھا (یعنی نَسطوری اور یعقوبی وغیرہ)، ان کی ساری ہمدردیاں بھی مجوسی حملہ آوروں کے ساتھ ہو گئیں۔ اور یہودیوں نے بھی مجوسیوں کا ساتھ دیا، حتّٰی کہ خُسرَو پرویز کی فوج میں بھرتی ہونے والے یہودیوں کی تعداد ۲۶ ہزار تک پہنچ گئی۔

ہِرَقل آ کر اس سیلاب کو نہ روک سکا۔ تخت نشین ہوتے ہی پہلی اطلاع جو اسے مشرق سے ملی وہ اَنطاکیہ پر ایرانی قبضے کی تھی۔ اس کے بعد ۶۱۳ء میں دِمَشق فتح ہُوا۔ پھر ۶۱۴ء میں بیت المَقدِس پر قبضہ کر کے ایرانیوں نے مسیحی دنیا پر قیامت ڈھا دی۔ ۹۰ ہزار عیسائی اس شہر میں قتل کیے گئے۔ ان کا سب سے زیادہ مقدس کلیسا، کنیسۃ القیامہ (Holy Sepulchre) برباد کر دیا گیا۔ اصلی صلیب، جس کے متعلق عیسائیوں کا عقیدہ تھا کہ اسی پر مسیحؑ نے جان دی تھی، مجوسیوں نے چھین کر مدائن پہنچا دی۔ لاٹ پادری زکریاہ کو بھی وہ پکڑ لے گئے اور شہر کے تمام بڑے بڑے گرجوں کو انھوں نے مسمار کر دیا۔ اس فتح کا نشہ جس بُری طرح خُسرَو پرویز پر چڑھا تھا، اس کا اندازہ اُس خط سے ہوتا ہے جو اس نے بیت المَقدِس سے ہِرَقل کو لکھا تھا۔ اس میں وہ کہتا ہے:

"سب خداؤں سے بڑے خدا، تمام رُوئے زمین کے مالک خُسرَو کی طرف سے اس کے کمینہ اور بے شُعور بندے ہِرَقل کے نام،

تو کہتا ہے کہ تجھے اپنے رب پر بھروسا ہے۔ کیوں نہ تیرے ربّ نے یروشلم کو میرے ہاتھ سے بچا لیا؟"

اس فتح کے بعد ایک سال کے اندر اندر ایرانی فوجیں اُردُن، فلسطین اور جزیرہ نمائے سینا

QuranUrdu.com

کے پورے علاقے پر قابض ہو کر حدودِ مصر تک پہنچ گئیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مکّۂ معظّمہ میں ایک اوراس سے بدرجہا زیادہ تاریخی اہمیّت رکھنے والی جنگ برپا تھی۔ یہاں توحید کے عَلَم بردار سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں، اور شرک کے پیروکار سردارانِ قریش کی رہنمائی میں ایک دوسرے سے برسرِ جنگ تھے، اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ ۶۱۵ء میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کو اپنا گھربار چھوڑ کر حبش کی عیسائی سلطنت میں (جو رُوم کی حلیف تھی) پناہ لینی پڑی۔ اس وقت سلطنتِ رُوم پر ایران کے غلبے کا چرچا ہر زبان پر تھا۔ مکے کے مشرکین اس پر بغلیں بجا رہے تھے اور مسلمانوں سے کہتے تھے کہ دیکھو، ایران کے آتش پرست فتح پا رہے ہیں اور وحی و رسالت کے ماننے والے عیسائی شکست پر شکست کھاتے چلے جا رہے ہیں۔ اسی طرح ہم عرب کے بُت پرست بھی تمھیں اور تمھارے دین کو مٹا کر رکھ دیں گے۔

ان حالات میں قرآنِ مجید کی یہ سورت نازل ہوئی اور اس میں یہ پیشین گوئی کی گئی کہ ’’قریب کی سرزمین میں رومی مغلوب ہو گئے ہیں، مگر اس مغلوبیت کے بعد چند سال کے اندر ہی وہ غالب آ جائیں گے، اور وہ دن وہ ہوگا جب کہ اللہ کی دی ہوئی فتح سے اہلِ ایمان خوش ہو رہے ہوں گے۔‘‘ اس میں ایک کے بجائے دو پیشین گوئیاں تھیں: ایک یہ کہ رومیوں کو غلبہ نصیب ہوگا۔ دوسری یہ کہ مسلمانوں کو بھی اُسی زمانے میں فتح حاصل ہوگی۔ بظاہر دُور دُور تک کہیں اس کے آثار موجود نہ تھے کہ ان میں سے کوئی ایک پیشین گوئی بھی چند سال کے اندر پوری ہو جائے گی۔ ایک طرف مُٹھی بھر مسلمان تھے جو مکّے میں مارے اور کھدیڑے جا رہے تھے اور اس پیشین گوئی کے بعد بھی آٹھ سال تک ان کے لیے غلبہ و فتح کا کوئی امکان کسی کو نظر نہ آتا تھا۔ دوسری طرف رُوم کی مغلوبیت روز بروز بڑھتی چلی گئی۔ ۶۱۹ء تک پورا مصر ایران کے قبضے میں چلا گیا اور مجوسی فوجوں نے طرابُلس کے قریب پہنچ کر اپنے جھنڈے گاڑ دیے۔ ایشیائے کوچک میں ایرانی فوجیں رومیوں کو مارتی دباتی باسفورَس کے کنارے تک پہنچ گئیں اور ۶۱۷ء میں انھوں نے عین قسطنطنیہ کے سامنے خَلقِدون (Chalcedon موجودہ قاضی کوئی) پر قبضہ کر لیا۔ قیصر نے خُسرَو کے پاس ایلچی بھیج کر نہایت عاجزی کے ساتھ درخواست کی کہ میں ہر قیمت پر صلح کرنے کے لیے تیار ہوں۔ مگر اس نے جواب دیا کہ ’’اب میں قیصر کو اس وقت تک امان نہ دوں گا جب تک وہ پابہ زنجیر میرے سامنے حاضر نہ ہو اور اپنے خدائے مصلوب کو چھوڑ کر خداوندِ آتش کی بندگی نہ اختیار کر لے۔‘‘ آخر کار قیصر اس حد تک شکست خوردہ ہو گیا کہ اس نے قسطنطنیہ چھوڑ کر قرطاجنہ (Carthage، موجودہ تیونس) منتقل ہو جانے کا ارادہ کر لیا۔ غرض، انگریز مؤرخ گِبَن کے بقول، قرآنِ مجید کی اس پیشین گوئی کے بعد بھی سات آٹھ برس تک

QuranUrdu.com

حالات ایسے تھے کہ کوئی شخص یہ تصور تک نہ کر سکتا تھا کہ رومی سلطنت ایران پر غالب آجائے گی، بلکہ غلبہ تو درکنار، اس وقت تو کسی کو یہ اُمید بھی نہ تھی کہ اب یہ سلطنت زندہ رہ جائے گی[1]۔

قرآن کی یہ آیات جب نازل ہوئیں تو کفّارِ مکّہ نے ان کا خوب مذاق اُڑایا اور اُبَیّ بن خَلف نے حضرت ابوبکرؓ سے شرط بَدی کہ اگر تین سال کے اندر رومی غالب آ گئے تو دس اُونٹ مَیں دوں گا ورنہ دس اُونٹ تم کو دینے ہوں گے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شرط کا علم ہُوا تو آپؐ نے فرمایا کہ قرآن میں فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ کے الفاظ آئے ہیں، اور عربی زبان میں بِضْع کا اطلاق دس سے کم پر ہوتا ہے، اس لیے دس سال کے اندر کی شرط کرو اور اُونٹوں کی تعداد بڑھا کر سَو کر دو۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے اُبَیّ سے پھر بات کی اور نئے سرے سے یہ شرط طے ہوئی کہ دس سال کے اندر فریقین میں سے جس کی بات غلط ثابت ہوگی وہ سَو اُونٹ دے گا۔

۶۲۲ء میں اِدھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینۂ طیّبہ تشریف لے گئے اور اُدھر قیصر ہِرَقْل خاموشی کے ساتھ قسطنطنیہ سے بحرِ اَسْوَد کے راستے طرابزون کی طرف روانہ ہُوا جہاں اُس نے ایران پر پشت کی طرف سے حملہ کرنے کی تیاری کی۔ اس جوابی حملے کی تیاری کے لیے قیصر نے کلیسا سے روپیا مانگا اور مسیحی کلیسا کے اُسْقُفِ اعظم سرجیس (Sergius) نے مسیحیت کو مجوسیت سے بچانے کے لیے گرجاؤں کے نذرانوں کی جمع شدہ دولت سود پر قرض دی۔ ہِرَقْل نے اپنا حملہ ۶۲۳ء میں آرمینیا سے شروع کیا اور دوسرے سال ۶۲۴ء میں اس نے آذربیجان میں گُھس کر زَرتُشت کے مقامِ پیدائش اُرمیاہ (Clorumia) کو تباہ کر دیا اور ایرانیوں کے سب سے بڑے آتش کدے کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ خدا کی قدرت کا کرشمہ دیکھیے کہ یہی وہ سال تھا جس میں مسلمانوں کو بَدر کے مقام پر پہلی مرتبہ مشرکین کے مقابلے میں فیصلہ کُن فتح نصیب ہوئی۔ اس طرح وہ دونوں پیشین گوئیاں جو سورۂ روم میں کی گئی تھیں، دس سال کی مدّت ختم ہونے سے پہلے بیک وقت پوری ہوگئیں۔

پھر روم کی فوجیں ایرانیوں کو مسلسل دباتی چلی گئیں۔ نینوا کی فیصلہ کُن لڑائی (۶۲۷ء) میں انھوں نے سلطنتِ ایران کی کمر توڑ دی۔ اس کے بعد شاہانِ ایران کی قیام گاہ دَسْت گرد (دَسکرۃ الملک) کو تباہ کر دیا گیا اور آگے بڑھ کر ہِرَقْل کے لشکر عین طیسفون (Ctesiphon)

1 Gibbon, Decline and Fall of the Roman Empire, Vol. II, p. 788, Modern Library, New York.

QuranUrdu.com

کے سامنے پہنچ گئے جو اس وقت ایران کا دار السلطنت تھا۔ ۶۲۸ء میں خُسرَو پرویز کے خلاف گھر میں بغاوت رُونما ہوئی۔ وہ قید کیا گیا، اس کی آنکھوں کے سامنے اس کے ۱۸ بیٹے قتل کر دیے گئے، اور چند روز بعد وہ خود قید کی سختیوں سے ہلاک ہو گیا۔ یہی سال تھا جس میں صلح حُدَیبِیَہ واقع ہوئی، جسے قرآن ''فتحِ عظیم'' کے نام سے تعبیر کرتا ہے، اور یہی سال تھا جس میں خُسرَو کے بیٹے قُباد ثانی نے تمام رومی مقبوضات سے دست بردار ہو کر اور اصلی صلیب واپس کر کے روم سے صلح کر لی۔ ۶۲۹ء میں قیصر ''مقدّس صلیب'' کو اس کی جگہ رکھنے کے لیے خود بیت المَقدِس گیا، اور اسی سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم عُمرۃ القضا ادا کرنے کے لیے ہجرت کے بعد پہلی مرتبہ مکّہ معظّمہ میں داخل ہوئے۔

اس کے بعد کسی کے لیے بھی اس امر میں شبہے کی گنجایش باقی نہ رہی کہ قرآن کی پیشین گوئی بالکل سچّی تھی۔ عرب کے بکثرت مشرکین اس پر ایمان لے آئے۔ اُبَیّ بن خَلف کے وارثوں کو ہار مان کر شرط کے اُونٹ ابوبکر صدیقؓ کے حوالے کرنے پڑے۔ وہ انھیں لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے حکم دیا کہ انھیں صدقہ کر دیا جائے۔ کیونکہ شرط اُس وقت ہوئی تھی جب شریعت میں جُوئے کی حُرمت کا حکم نہیں آیا تھا، مگر اب حرمت کا حکم آ چکا تھا، اس لیے حربی کافروں سے شرط کا مال تو لے لینے کی اجازت دے دی گئی مگر ہدایت کی گئی کہ اسے خود استعمال کرنے کے بجائے صدقہ کر دیا جائے۔

موضوع اور مضمون

اس سورہ میں کلام کا آغاز اس بات سے کیا گیا ہے کہ آج رومی مغلوب ہوگئے ہیں اور ساری دُنیا یہ سمجھ رہی ہے کہ اس سلطنت کا خاتمہ قریب ہے، مگر چند سال نہ گزرنے پائیں گے کہ پانسا پلٹ جائے گا اور جو مغلوب ہے وہ غالب ہو جائے گا۔

اس تمہید سے یہ مضمون نکل آیا کہ انسان اپنی سطح بینی کی وجہ سے وہی کچھ دیکھتا ہے جو بظاہر اُس کی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے، مگر اس ظاہر کے پردے کے پیچھے جو کچھ ہے اس کی اسے خبر نہیں ہوتی۔ یہ ظاہر بینی جب دُنیا کے ذرا ذرا سے معاملات میں غلط فہمیوں اور غلط اندازوں کی موجب ہوتی ہے، اور جب کہ محض اتنی سی بات نہ جاننے کی وجہ سے کہ ''کل کیا ہونے والا ہے'' آدمی غلط تخمینے لگا بیٹھتا ہے، تو پھر بحیثیتِ مجموعی پوری زندگی کے معاملے میں ظاہر حیاتِ دُنیا پر اعتماد کر بیٹھنا اور اسی کی بنیاد پر اپنے پورے سرمایۂ حیات کو داؤں پر لگا دینا کتنی بڑی غلطی ہے۔

اِس طرح روم و ایران کے معاملے سے تقریر کا رُخ آخرت کے مضمون کی طرف پھر جاتا ہے اور مسلسل تین رُکوعوں تک طریقے طریقے سے یہ سمجھانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ

QuranUrdu.com

آخرت ممکن بھی ہے، معقول بھی ہے، اس کی ضرورت بھی ہے، اور انسانی زندگی کے نظام کو دُرست رکھنے کے لیے بھی یہ ضروری ہے کہ آدمی آخرت کا یقین رکھ کر اپنی موجودہ زندگی کا پروگرام اختیار کرے، ورنہ وہی غلطی واقع ہو گی جو ظاہر پر اعتماد کر لینے سے واقع ہُوا کرتی ہے۔

اس سلسلے میں آخرت پر اِستدلال کرتے ہوئے کائنات کے جن آثار کو شہادت میں پیش کیا گیا ہے، وہ بعینہٖ وہی آثار ہیں جو توحید پر بھی دلالت کرتے ہیں۔ اس لیے چوتھے رکوع کے آغاز سے تقریر کا رُخ توحید کے اثبات اور شرک کے ابطال کی طرف پھر جاتا ہے اور بتایا جاتا ہے کہ انسان کے لیے فطری دین اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ وہ بالکل یکسو ہو کر خدائے واحد کی بندگی کرے۔ شرک فطرتِ کائنات اور فطرتِ انسان کے خلاف ہے، اسی لیے جہاں بھی انسان نے اس گمراہی کو اختیار کیا ہے وہاں فساد رُونما ہُوا ہے۔ اس موقع پر پھر اُس فسادِ عظیم کی طرف، جو اُس وقت دُنیا کی دو سب سے بڑی سلطنتوں کے درمیان جنگ کی بدولت برپا تھا، اشارہ کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ فساد بھی شرک کے نتائج میں سے ہے اور پچھلی انسانی تاریخ میں بھی جتنی قومیں مبتلائے فساد ہوئی ہیں، وہ سب بھی مشرک ہی تھیں۔

خاتمۂ کلام پر تمثیل کے پیرایے میں لوگوں کو سمجھایا گیا ہے کہ جس طرح مُردہ پڑی ہوئی زمین خدا کی بھیجی ہوئی بارش سے یکایک جی اُٹھتی ہے اور زندگی و بہار کے خزانے اُگلنے شروع کر دیتی ہے، اسی طرح خدا کی بھیجی ہوئی وحی و نبوت بھی مُردہ پڑی ہوئی انسانیت کے حق میں ایک بارانِ رحمت ہے، جس کا نزول اس کے لیے زندگی اور نشوونما اور خیر و فلاح کا موجب ہوتا ہے۔ اس موقع سے فائدہ اُٹھاؤ گے تو یہی عرب کی سُونی زمین رحمتِ الٰہی سے لہلہا اُٹھے گی اور ساری بھلائی تمھارے اپنے لیے ہی ہوگی۔ اس سے فائدہ نہ اُٹھاؤ گے تو اپنا ہی نقصان کرو گے، پھر پچھتانے کا کچھ حاصل نہ ہو گا اور تلافی کا کوئی موقع تمھیں میسّر نہ آئے گا۔

سُوْرَةُ الرُّوْمِ مَكِّيَّةٌ

آیاتہا ٦٠ — رکوعاتہا ٦

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ۚ ﴿١﴾ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۙ ﴿٢﴾ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ
سَيَغْلِبُوْنَ ۙ ﴿٣﴾ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۗ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ

ا ـ ل ـ م ـ رُومی قریب کی سرزمین میں مغلُوب ہو گئے ہیں، اور اپنی اِس مغلوبیت کے بعد چند سال کے اندر وہ غالب ہو جائیں گے۔[1] اللہ ہی کا اختیار ہے پہلے بھی اور

۱ ـ ابنِ عباسؓ اور دوسرے صحابہؓ وتابعینؒ کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ روم وایران کی اس لڑائی میں مسلمانوں کی ہمدردیاں روم کے ساتھ اور کفارِ مکّہ کی ہمدردیاں ایران کے ساتھ تھیں۔ اس کے کئی وجوہ تھے۔ ایک یہ کہ ایرانیوں نے اس لڑائی کو مجوسیت اور مسیحیت کی لڑائی کا رنگ دے دیا تھا اور وہ ملک گیری کے مقصد سے تجاوز کر کے اسے مجوسیت پھیلانے کا ذریعہ بنا رہے تھے۔ بیت المَقدِس کی فتح کے بعد خُسرَو پرویز نے جو خط قیصرِ روم کو لکھا تھا، اس میں صاف طور پر وہ اپنی فتح کو مجوسیت کے برحق ہونے کی دلیل قرار دیتا ہے۔ اُصولی اعتبار سے مجوسیوں کا مذہب مشرکینِ مکّہ کے مذہب سے مِلتا جُلتا تھا، کیونکہ وہ بھی توحید کے منکر تھے، دو خداؤں کو مانتے تھے اور آگ کی پرستش کرتے تھے۔ اس لیے مشرکین کی ہمدردیاں ان کے ساتھ تھیں۔ ان کے مقابلے میں مسیحی خواہ کتنے ہی مبتلائے شرک ہو گئے ہوں، مگر وہ خدا کی توحید کو اصلِ دین مانتے تھے، آخرت کے قائل تھے، اور وحی و رسالت کو سرچشمۂ ہدایت تسلیم کرتے تھے۔ اس بنا پر ان کا دین اپنی اصل کے اعتبار سے مسلمانوں کے دین سے مشابہت رکھتا تھا، اور اسی لیے مسلمان قدرتی طور پر ان سے ہمدردی رکھتے تھے اور ان پر مشرک قوم کا غلبہ انھیں ناگوار تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ ایک نبی کی آمد سے پہلے جو لوگ سابق نبی کو مانتے ہوں، وہ اُصولاً مسلمان ہی کی تعریف میں آتے ہیں اور جب تک بعد کے آنے والے نبی کی دعوت انھیں نہ پہنچے اور وہ اس کا انکار نہ کر دیں، ان کا شمار مسلمانوں ہی میں رہتا ہے۔ (مُلاحظہ ہو: سورۂ قصص، حاشیہ ۷۳) اُس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بِعثَت پر صرف پانچ چھ برس ہی گزرے تھے، اور حضورؐ کی دعوت ابھی تک باہر نہیں پہنچی تھی۔ اس لیے مسلمان عیسائیوں کا شمار کافروں میں نہیں کرتے تھے۔ البتہ یہودی ان کی نگاہ میں کافر تھے، کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کر چکے تھے۔ تیسری وجہ یہ تھی کہ آغازِ اسلام میں عیسائیوں کی طرف سے مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی ہی کا برتاؤ ہُوا تھا، جیسا کہ سورۂ قصص، آیات ۵۲ تا ۵۵ اور سورۂ مائدہ، آیات ۸۲ تا ۸۵ میں بیان ہوا ہے۔ بلکہ ان میں سے بہت سے لوگ کھلے دل سے

QuranUrdu.com

بَعۡدُ ؕ وَ یَوۡمَئِذٍ یَّفۡرَحُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۙ﴿۴﴾ بِنَصۡرِ اللّٰہِ ؕ یَنۡصُرُ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ
وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ ۙ﴿۵﴾ وَعۡدَ اللّٰہِ ؕ لَا یُخۡلِفُ اللّٰہُ وَعۡدَہٗ وَ لٰکِنَّ
اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۶﴾ یَعۡلَمُوۡنَ ظَاہِرًا مِّنَ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ۚۖ
وَ ہُمۡ عَنِ الۡاٰخِرَۃِ ہُمۡ غٰفِلُوۡنَ ﴿۷﴾ اَوَ لَمۡ یَتَفَکَّرُوۡا فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ ۟ قف
مَا خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ مَا بَیۡنَہُمَاۤ اِلَّا بِالۡحَقِّ

بعد میں بھی[۲]۔ اور وہ دن وہ ہو گا جب کہ اللہ کی بخشی ہوئی فتح پر مسلمان خوشیاں منائیں گے[۳]۔ اللہ نُصرت عطا فرماتا ہے جسے چاہتا ہے، اور وہ زبردست اور رحیم ہے۔ یہ وعدہ اللہ نے کیا ہے، اللہ کبھی اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔

لوگ دُنیا کی زندگی کا بس ظاہری پہلو جانتے ہیں اور آخرت سے وہ خود ہی غافل ہیں[۴]۔ کیا انھوں نے کبھی اپنے آپ میں غور و فکر نہیں کیا[۵]؟ اللہ نے زمین اور آسمانوں کو اور اُن ساری چیزوں کو جو اُن کے درمیان ہیں، برحق اور ایک مقرّر مدّت ہی کے لیے

دعوتِ حق کو قبول کر رہے تھے۔ پھر ہجرتِ حبشہ کے موقع پر جس طرح حبش کے عیسائی بادشاہ نے مسلمانوں کو پناہ دی اور ان کی واپسی کے لیے کفارِ مکّہ کے مطالبے کو ٹھکرا دیا، اس کا بھی یہ تقاضا تھا کہ مسلمان مجوسیوں کے مقابلے میں عیسائیوں کے خیر خواہ ہوں۔

۲ – یعنی پہلے جب ایرانی غالب آئے تو اس بنا پر نہیں کہ معاذ اللہ! خداوندِ عالَم ان کے مقابلے میں شکست کھا گیا، اور بعد میں جب رومی فتحیاب ہوں گے تو اس کے معنٰی یہ نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اس کا کھویا ہُوا ملک مل جائے گا۔ فرمانروائی تو ہر حال میں اللہ ہی کی ہے۔ پہلے جسے فتح نصیب ہوئی اسے بھی اللہ ہی نے فتح دی، اور بعد میں جو فتح پائے گا وہ بھی اللہ ہی کے حکم سے پائے گا۔ اس کی خدائی میں کوئی اپنے زور سے غلبہ حاصل نہیں کر سکتا۔ جسے وہ اُٹھاتا ہے وہی اُٹھتا ہے، اور جسے وہ گراتا ہے وہی گرتا ہے۔

۳ – ابنِ عباسؓ، ابو سعید خُدریؓ، سفیان ثوریؒ، سُدّیؒ وغیرہ حضرات کا بیان ہے کہ ایرانیوں پر رومیوں کی فتح اور جنگِ بدر میں مشرکین پر مسلمانوں کی فتح کا زمانہ ایک ہی تھا، اس لیے مسلمانوں کو دُہری خوشی حاصل ہوئی۔

QuranUrdu.com

یہی بات ایران اور روم کی تاریخوں سے بھی ثابت ہے۔ ۶۲۴ء ہی وہ سال ہے جس میں جنگِ بدر ہوئی، اور یہی وہ سال ہے جس میں قیصرِ روم نے زَرتُشت کا مَولِد تباہ کیا اور ایران کے سب سے بڑے آتش کدے کو مسمار کر دیا۔

۴- یعنی اگرچہ آخرت پر دلالت کرنے والے آثار و شواہد کثرت سے موجود ہیں اور اس سے غفلت کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے، لیکن یہ لوگ اس سے خود ہی غفلت برت رہے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں، یہ ان کی اپنی کوتاہی ہے کہ دنیوی زندگی کے اس ظاہری پردے پر نگاہ جما کر بیٹھ گئے ہیں اور اس کے پیچھے جو کچھ آنے والا ہے اس سے بالکل بے خبر ہیں، ورنہ خدا کی طرف سے ان کو خبردار کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں ہوئی ہے۔

۵- یہ آخرت پر بجائے خود ایک مستقل اِستِدلال ہے۔ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ اگر یہ لوگ باہر کسی طرف نگاہ دَوڑانے سے پہلے خود اپنے وجود پر غور کرتے تو انھیں اپنے اندر ہی وہ دلائل مل جاتے جو موجودہ زندگی کے بعد دوسری زندگی کی ضرورت ثابت کرتے ہیں۔ انسان کی تین امتیازی خصوصیات ایسی ہیں جو اس کو زمین کی دوسری موجودات سے مُمیّز کرتی ہیں:

ایک یہ کہ زمین اور اس کے ماحول کی بے شمار چیزیں اس کے لیے مسخر کر دی گئی ہیں اور ان پر تصرف کے وسیع اختیارات اس کو بخش دیے گئے ہیں۔

دوسرے یہ کہ اِسے اپنی راہِ زندگی کے انتخاب میں آزاد چھوڑ دیا گیا ہے۔ ایمان اور کفر، طاعت اور مَعصِیَت، نیکی اور بدی کی راہوں میں سے جس راہ پر بھی جانا چاہے جا سکتا ہے۔ حق اور باطل، صحیح اور غلط، جس طریقے کو بھی اختیار کرنا چاہے کر سکتا ہے۔ ہر راستے پر چلنے کے لیے اسے توفیق دے دی جاتی ہے اور اس پر چلنے میں وہ خدا کے فراہم کردہ ذرائع استعمال کر سکتا ہے، خواہ وہ خدا کی اطاعت کا راستہ ہو یا اس کی نافرمانی کا راستہ۔

تیسرے یہ کہ اس میں پیدائشی طور پر اَخلاق کی حِس رکھ دی گئی ہے جس کی بنا پر وہ اختیاری اعمال اور غیر اختیاری اعمال میں فرق کرتا ہے، اختیاری اعمال پر نیکی اور بدی کا حکم لگاتا ہے، اور بداہتاً یہ رائے قائم کرتا ہے کہ اچھا عمل جزا کا اور بُرا عمل سزا کا مستحق ہونا چاہیے۔

یہ تینوں خصوصیتیں، جو انسان کے اپنے وجود میں پائی جاتی ہیں، اِس بات کی نشان دِہی کرتی ہیں کہ کوئی وقت ایسا ہونا چاہیے جب انسان سے محاسبہ کیا جائے۔ جب اس سے پوچھا جائے کہ جو کچھ دنیا میں اس کو دیا گیا تھا، اس پر تَصَرُّف کے اختیارات کو اس نے کس طرح استعمال کیا؟ جب یہ دیکھا جائے کہ اس نے اپنی آزادیِ انتخاب کو استعمال کر کے صحیح راستہ اختیار کیا یا غلط؟ جب اس کے اختیاری اعمال کی جانچ کی جائے اور نیک عمل پر جزا اور بُرے عمل پر سزا دی جائے۔ یہ وقت لامحالہ انسان کا کارنامۂ زندگی ختم اور اس کا دفترِ عمل بند ہونے کے بعد ہی آ سکتا ہے نہ کہ اس سے پہلے۔ اور یہ وقت لازماً اسی وقت آنا چاہیے جب کہ ایک فرد یا ایک قوم کا نہیں بلکہ تمام انسانوں کا دفترِ عمل بند ہو۔ کیونکہ ایک فرد یا ایک قوم کے مر جانے پر اُن اثرات کا سلسلہ ختم

QuranUrdu.com

وَ اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ۝۸

پیدا کیا ہے۔[6] مگر بہت سے لوگ اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں۔[7]

نہیں ہو جاتا جو اس نے اپنے اعمال کی بدولت دنیا میں چھوڑے ہیں۔ اُس کے چھوڑے ہوئے اچھے یا بُرے اثرات بھی تو اس کے حساب میں شمار ہونے چاہییں۔ یہ اثرات جب تک مکمل طور پر ظاہر نہ ہو لیں، انصاف کے مطابق پورا محاسبہ کرنا اور پوری جزا یا سزا دینا کیسے ممکن ہے؟ اس طرح انسان کا اپنا وجود اس بات کی شہادت دیتا ہے، اور زمین میں انسان کو جو حیثیت حاصل ہے وہ آپ سے آپ اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ دنیا کی موجودہ زندگی کے بعد ایک دوسری زندگی ایسی ہو جس میں عدالت قائم ہو، انصاف کے ساتھ انسان کے کارنامۂ زندگی کا محاسبہ کیا جائے، اور ہر شخص کو اس کے کام کے لحاظ سے جزا دی جائے۔

٦ — اس فقرے میں آخرت کی دو مزید دلیلیں دی گئی ہیں۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ اگر انسان اپنے وجود سے باہر کے نظام کائنات کو بنظرِ غور دیکھے تو اسے دو حقیقتیں نمایاں نظر آئیں گی:

ایک یہ کہ یہ کائنات برحق بنائی گئی ہے۔ یہ کسی بچے کا کھیل نہیں ہے کہ محض دل بہلانے کے لیے اس نے ایک بے ڈھنگا سا گھروندا بنا لیا ہو جس کی تعمیر اور تخریب دونوں ہی بے معنیٰ ہوں۔ بلکہ یہ ایک سنجیدہ نظام ہے، جس کا ایک ایک ذرّہ اس بات پر گواہی دے رہا ہے کہ اسے کمال درجہ حکمت کے ساتھ بنایا گیا ہے، جس کی ہر چیز میں ایک قانون کارفرما ہے، جس کی ہر شے بامقصد ہے۔ انسان کا سارا تمدّن اور اس کی پوری معیشت اور اس کے تمام علوم وفُنون خود اس بات پر گواہ ہیں۔ دنیا کی ہر چیز کے پیچھے کام کرنے والے قوانین کو دریافت کر کے اور ہر شے جس مقصد کے لیے بنائی گئی ہے اسے تلاش کر کے ہی انسان یہاں یہ سب کچھ تعمیر کر سکا ہے۔ ورنہ ایک بے ضابطہ اور بے مقصد کھلونے میں اگر ایک پُتلے کی حیثیت سے اس کو رکھ دیا گیا ہوتا تو کسی سائنس اور کسی تہذیب وتمدّن کا تصوُّر تک نہ کیا جا سکتا تھا۔ اب آخر یہ بات تمھاری عقل میں کیسے سماتی ہے کہ جس حکیم نے اِس حکمت اور مقصدیت کے ساتھ یہ دنیا بنائی ہے اور اس کے اندر تم جیسی ایک مخلوق کو اعلیٰ درجے کی ذہنی وجسمانی طاقتیں دے کر، اختیارات دے کر، آزادیِ انتخاب دے کر، اَخلاق کی حِس دے کر اپنی دنیا کا بے شمار سروسامان تمھارے حوالے کیا ہے، اس نے تمھیں بے مقصد ہی پیدا کر دیا ہوگا؟ تم دنیا میں تعمیر وتخریب، اور نیکی وبدی، اور ظلم وعدل، اور راستی وناراستی کے سارے ہنگامے برپا کرنے کے بعد بس یونہی مر کر مٹی میں مل جاؤ گے اور تمھارے کسی اچھے یا بُرے کام کا کوئی نتیجہ نہ ہوگا؟ تم اپنے ایک ایک عمل سے اپنی اور اپنے جیسے ہزاروں انسانوں کی زندگی پر اور دنیا کی بے شمار اشیا پر بہت سے مفید یا مضر اثرات ڈال کر چلے جاؤ گے اور تمھارے مرتے ہی یہ سارا دفترِ عمل بس یونہی لپیٹ کر دریا بُرد کر دیا جائے گا؟

دوسری حقیقت جو اس کائنات کے نظام کا مطالعہ کرنے سے صاف نظر آتی ہے، وہ یہ ہے کہ یہاں

QuranUrdu.com

اَوَلَمۡ يَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَيَنۡظُرُوۡا كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ‌ ؕ كَانُوۡۤا اَشَدَّ مِنۡهُمۡ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الۡاَرۡضَ

اور کیا یہ لوگ کبھی زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں کہ اِنھیں اُن لوگوں کا انجام نظر آتا جو اِن سے پہلے گزر چکے ہیں؟[8] وہ اِن سے زیادہ طاقت رکھتے تھے، اُنھوں نے زمین کو خوب اُدھیڑا تھا

کسی چیز کے لیے بھی ہمیشگی نہیں ہے۔ ہر چیز کے لیے ایک عمر مقرر ہے جسے پہنچنے کے بعد وہ ختم ہو جاتی ہے۔ اور یہی معاملہ بحیثیتِ مجموعی پوری کائنات کا بھی ہے۔ یہاں جتنی طاقتیں کام کر رہی ہیں وہ سب محدود ہیں۔ ایک وقت تک ہی وہ کام کر رہی ہیں، اور کسی وقت پر انھیں لامحالہ خرچ ہو جانا اور اس نظام کو ختم ہو جانا ہے۔ قدیم زمانے میں تو علم کی کمی کے باعث اُن فلسفیوں اور سائنس دانوں کی بات کچھ چل بھی جاتی تھی جو دنیا کو ازَلی و اَبَدی قرار دیتے تھے۔ مگر موجودہ سائنس نے عالَم کے حدوث وقِدَم کی اُس بحث میں، جو ایک مدّتِ دراز سے دہریوں اور خدا پرستوں کے درمیان چلی آ رہی تھی، قریب قریب حتمی طور پر اپنا ووٹ خدا پرستوں کے حق میں ڈال دیا ہے۔ اب دہریوں کے لیے عقل اور حکمت کا نام لے کر یہ دعویٰ کرنے کی کوئی گنجایش باقی نہیں رہی ہے کہ دنیا ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی اور قیامت کبھی نہ آئے گی۔ پرانی مادّہ پرستی کا سارا انحصار اس تخیّل پر تھا کہ مادّہ فنا نہیں ہو سکتا، صرف صورت بدلی جا سکتی ہے، مگر ہر تغیّر کے بعد مادّہ مادّہ ہی رہتا ہے اور اس کی مقدار میں کوئی کمی وبیشی نہیں ہوتی۔ اس بنا پر یہ نتیجہ نکالا جاتا تھا کہ اس عالَمِ مادّی کی نہ کوئی ابتدا ہے نہ انتہا۔ لیکن اب جوہری توانائی (atomic energy) کے انکشاف نے اس پورے تخیّل کی بِساط اُلٹ کر رکھ دی ہے۔ اب یہ بات کھل گئی ہے کہ قوّت مادّے میں تبدیل ہوتی ہے اور مادّہ پھر قوت میں تبدیل ہو جاتا ہے، حتّٰی کہ نہ صورت باقی رہتی ہے نہ ہَیُولا۔ اب حرکیاتِ حرارت کے دوسرے قانون (Second Law of Thermo-Dynamics) نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ عالَم مادّی نہ ازَلی ہو سکتا ہے نہ اَبَدی۔ اس کو لازماً ایک وقت شروع اور ایک وقت ختم ہونا ہی چاہیے۔ اس لیے سائنس کی بنیاد پر اب قیامت کا انکار ممکن نہیں رہا ہے۔ اور ظاہر بات ہے کہ جب سائنس ہتھیار ڈال دے تو فلسفہ کن ٹانگوں پر اُٹھ کر قیامت کا انکار کرے گا؟

۷ – یعنی اس بات کے منکر کہ انھیں مرنے کے بعد اپنے رب کے سامنے حاضر ہونا ہے۔

۸ – یہ آخرت کے حق میں تاریخی اِستدلال ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آخرت کا انکار دنیا میں دو چار آدمیوں ہی نے تو نہیں کیا ہے۔ انسانی تاریخ کے دوران میں کثیر التعداد انسان اس مرض میں مبتلا ہوتے رہے ہیں۔ بلکہ پوری پوری قومیں ایسی گزری ہیں جنھوں نے یا تو اس کا انکار کیا ہے، یا اس سے غافل ہو کر رہی ہیں، یا حیات بعد الموت کے متعلّق ایسے غلط عقیدے ایجاد کر لیے ہیں جن سے آخرت کا عقیدہ بے معنیٰ ہو کر رہ جاتا ہے۔

QuranUrdu.com

وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ؕ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ؕ ﴿۹﴾

تھا اور اُسے اتنا آباد کیا تھا جتنا انھوں نے نہیں کیا ہے۔[10] اُن کے پاس ان کے رسولؐ روشن نشانیاں لے کر آئے۔[11] پھر اللہ ان پر ظلم کرنے والا نہ تھا، مگر وہ خود ہی اپنے اُوپر ظلم کر رہے تھے۔[12]

پھر تاریخ کا مسلسل تجرِبہ یہ بتاتا ہے کہ انکارِ آخرت جس صورت میں بھی کیا گیا ہے، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں کے اَخلاق بگڑے، وہ اپنے آپ کو غیر ذمہ دار سمجھ کر شُترِ بے مہار بن گئے، انھوں نے ظلم وفساد اور فِسق و فُجور کی حد کر دی، اور اسی چیز کی بدولت قوموں پر قومیں تباہ ہوتی چلی گئیں۔ کیا ہزاروں سال کی تاریخ کا یہ تجرِبہ، جو پے در پے انسانی نسلوں کو پیش آتا رہا ہے، یہ ثابت نہیں کرتا کہ آخرت ایک حقیقت ہے جس کا انکار انسان کے لیے تباہ کُن ہے؟ انسان کششِ ثِقل کا اسی لیے تو قائل ہوا ہے کہ تجرِبے اور مُشاہَدے سے اس نے مادّی اشیا کو ہمیشہ زمین کی طرف گرتے دیکھا ہے۔ انسان نے زہر کو زہر اسی لیے تو مانا ہے کہ جس نے بھی زہر کھایا وہ ہلاک ہوا۔ اسی طرح جب آخرت کا انکار ہمیشہ انسان کے لیے اَخلاقی بگاڑ کا موجب ثابت ہوا ہے تو کیا یہ تجرِبہ یہ سبق دینے کے لیے کافی نہیں ہے کہ آخرت ایک حقیقت ہے اور اس کو نظر انداز کر کے دنیا میں زندگی بسر کرنا غلط ہے؟

۹- اصل میں لفظ اَثَارُوا الْاَرْضَ استعمال ہوا ہے۔ اس کا اطلاق زراعت کے لیے ہل چلانے پر بھی ہو سکتا ہے اور زمین کھود کر زیرِ زمین پانی، نہریں، کاریزیں اور معدنیات وغیرہ نکالنے پر بھی۔

۱۰- اس میں اُن لوگوں کے اِستِدلال کا جواب موجود ہے جو محض مادّی ترقی کو کسی قوم کے صالح ہونے کی علامت سمجھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے زمین کے ذرائع کو اتنے بڑے پیمانے پر استعمال (exploit) کیا ہے، جنھوں نے دنیا میں عظیم الشان تعمیری کام کیے ہیں اور ایک شان دار تمدّن کو جنم دیا ہے، بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو جہنّم کا ایندھن بنا دے۔ قرآن اس کا جواب یہ دیتا ہے کہ یہ ''تعمیری کام'' پہلے بھی بہت سی قوموں نے بڑے پیمانے پر کیے ہیں، پھر کیا تمھاری آنکھوں نے نہیں دیکھا کہ وہ قومیں اپنی تہذیب اور اپنے تمدّن سمیت پیوندِ خاک ہو گئیں اور ان کی ''تعمیر'' کا قصرِ فلک بوس زمین پر آ رہا؟ جس خدا کے قانون نے یہاں عقیدۂ حق اور اَخلاقِ صالحہ کے بغیر محض مادّی تعمیر کی یہ قدر کی ہے، آخر کیا وجہ ہے کہ اسی خدا کا قانون دوسرے جہان میں انھیں واصلِ جہنّم نہ کرے؟

۱۱- یعنی ایسی نشانیاں لے کر آئے جو ان کے نبیِ صادق ہونے کا یقین دلانے کے لیے کافی تھیں۔ اس سیاق وسباق میں انبیاؑ کی آمد کے ذکر کا مطلب یہ ہے کہ ایک طرف انسان کے اپنے وجود میں، اور اس سے باہر ساری کائنات کے نظام میں، اور انسانی تاریخ کے مسلسل تجرِبے میں آخرت کی شہادتیں موجود تھیں، اور دوسری

QuranUrdu.com

ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَاۗءُوا السُّوْۗآٰى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۰ ع اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ
اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۱۱ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝۱۲

آخر کار جن لوگوں نے بُرائیاں کی تھیں ان کا انجام بہت بُرا ہوا، اس لیے کہ انھوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا تھا اور وہ ان کا مذاق اُڑاتے تھے۔ ع

اللہ ہی خلق کی ابتدا کرتا ہے، پھر وہی اس کا اِعادہ کرے گا،[۱۳] پھر اسی کی طرف تم پلٹائے جاؤ گے۔ اور جب وہ ساعت[۱۴] برپا ہوگی اس دن مجرم ہَک دَک رہ جائیں گے،[۱۵]

طرف پے درپے ایسے انبیاؑ بھی آئے جن کے ساتھ ان کی نبوت کے برحق ہونے کی کھلی کھلی علامتیں پائی جاتی تھیں، اور انھوں نے انسانوں کو خبردار کیا کہ فی الواقع آخرت آنے والی ہے۔

۱۲ – یعنی اس کے بعد جو تباہی ان قوموں پر آئی وہ ان پر خدا کا ظلم نہ تھا بلکہ وہ ان کا اپنا ظلم تھا جو انھوں نے اپنے اُوپر کیا۔ جو شخص یا گروہ نہ خود صحیح سوچے اور نہ کسی سمجھانے والے کے سمجھانے سے صحیح رَوِیّہ اختیار کرے، اس پر اگر تباہی آتی ہے تو وہ آپ ہی اپنے بُرے انجام کا ذمہ دار ہے۔ خدا پر اس کا الزام عائد نہیں کیا جا سکتا۔ خدا نے تو اپنی کتابوں اور اپنے انبیاؑ کے ذریعے سے انسان کو حقیقت کا علم دینے کا انتظام بھی کیا ہے، اور وہ علمی و عقلی وسائل بھی عطا کیے ہیں جن سے کام لے کر وہ ہر وقت انبیاؑ اور کُتُبِ آسمانی کے دیے ہوئے علم کی صحت جانچ سکتا ہے۔ اِس رہنمائی اور ان ذرائع سے اگر خدا نے انسان کو محروم رکھا ہوتا اور اس حالت میں انسان کو غلط روی کے نتائج سے دوچار ہونا پڑتا تب بلاشبہ خدا پر ظلم کے الزام کی گنجایش نکل سکتی تھی۔

۱۳ – یہ بات اگرچہ دعوے کے انداز میں بیان فرمائی گئی ہے مگر اس میں خود دلیلِ دعویٰ بھی موجود ہے۔ صریح عقل اس بات پر شہادت دیتی ہے کہ جس کے لیے خلق کی ابتدا کرنا ممکن ہو، اس کے لیے اسی خلق کا اعادہ کرنا بدرجۂ اَولیٰ ممکن ہے۔ خلق کی ابتدا تو ایک امرِواقعہ ہے جو سب کے سامنے موجود ہے، اور کفار و مشرکین بھی مانتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کا فعل ہے۔ اس کے بعد ان کا یہ خیال کرنا سراسر نامعقول بات ہے کہ وہی خدا جس نے اس خلق کی ابتدا کی ہے، اس کا اعادہ نہیں کر سکتا۔

۱۴ – یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف پلٹنے اور اس کے حُضور پیش ہونے کی ساعت۔

۱۵ – اصل میں لفظ اِبْلَاس استعمال کیا گیا ہے، جس کے معنیٰ ہیں: سخت مایوسی اور صدمے کی بنا پر

QuranUrdu.com

وَ لَمۡ یَکُنۡ لَّهُمۡ مِّنۡ شُرَکَآئِهِمۡ شُفَعٰٓؤُا وَ کَانُوۡا بِشُرَکَآئِهِمۡ

ان کے ٹھیرائے ہوئے شریکوں میں کوئی ان کا سِفارشی نہ ہوگا[16] اور وہ اپنے شریکوں کے

کسی شخص کا گُم سُم ہو جانا، اُمید کے سارے راستے بند پا کر حیران و ششدر رہ جانا، کوئی حجت نہ پا کر دم بخود رہ جانا۔ یہ لفظ جب مجرم کے لیے استعمال کیا جائے تو ذہن کے سامنے اس کی یہ تصویر آتی ہے کہ ایک شخص عین حالتِ جُرم میں بھرے ہاتھوں (red-handed) پکڑا گیا ہے، نہ فرار کی کوئی راہ پاتا ہے، نہ اپنی صفائی میں کوئی چیز پیش کر کے بچ نکلنے کی توقع رکھتا ہے، اس لیے زبان اس کی بند ہے اور وہ انتہائی مایوسی و دل شکستگی کی حالت میں حیران و پریشان کھڑا ہے۔

اس مقام پر یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ یہاں مجرمین سے مراد صرف وہی لوگ نہیں ہیں جنھوں نے دنیا میں قتل، چوری، ڈاکے اور اسی طرح کے دوسرے جرائم کیے ہیں، بلکہ وہ سب لوگ مراد ہیں جنھوں نے خدا سے بغاوت کی ہے، اس کے رسولوں کی تعلیم و ہدایت کو قبول کرنے سے انکار کیا ہے، آخرت کی جواب دِہی کے منکر یا اس سے بے فکر رہے ہیں، اور دنیا میں خدا کے بجائے دوسروں کی یا اپنے نفس کی بندگی کرتے رہے ہیں، خواہ اس بنیادی گمراہی کے ساتھ انھوں نے وہ افعال کیے ہوں یا نہ کیے ہوں جنھیں عرفِ عام میں جرائم کہا جاتا ہے۔ مزید برآں اس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جنھوں نے خدا کو مان کر، اس کے رسولوں پر ایمان لا کر، آخرت کا اقرار کر کے پھر دانستہ اپنے رب کی نافرمانیاں کی ہیں اور آخر وقت تک اپنی اس باغیانہ رَوِش پر ڈٹے رہے ہیں۔ یہ لوگ جب اپنی توقعات کے بالکل خلاف عالَمِ آخرت میں یکایک جی اُٹھیں گے اور دیکھیں گے کہ یہاں تو واقعی وہ دُوسری زندگی پیش آ گئی ہے جس کا انکار کر کے، یا جسے نظرانداز کر کے وہ دنیا میں کام کرتے رہے تھے، تو ان کے حواس باختہ ہو جائیں گے اور وہ کیفیت ان پر طاری ہو گی جس کا نقشہ یُبۡلِسُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ کے الفاظ میں کھینچا گیا ہے۔

۱۶ — شُرکا کا اطلاق تین قسم کی ہستیوں پر ہوتا ہے: ایک ملائکہ، انبیاؑ، اولیا، اور شہدا و صالحین جن کو مختلف زمانوں میں مشرکین نے خدائی صفات و اختیارات کا حامل قرار دے کر ان کے آگے مراسمِ عبودیت انجام دیے ہیں۔ وہ قیامت کے روز صاف کہہ دیں گے کہ تم یہ سب کچھ ہماری مرضی کے بغیر، بلکہ ہماری تعلیم و ہدایت کے سراسر خلاف کرتے رہے ہو، اس لیے ہمارا تم سے کوئی واسطہ نہیں، ہم سے کوئی اُمید نہ رکھو کہ ہم تمھاری شَفاعت کے لیے خدائے بزرگ کے سامنے کچھ عرض معروض کریں گے۔ دوسری قسم اُن اشیا کی ہے جو بے شعور یا بے جان ہیں، جیسے چاند، سورج، سَیّارے، درخت، پتھر اور حیوانات وغیرہ۔ مشرکین نے ان کو خدا بنایا اور ان کی پرستش کی اور ان سے دعائیں مانگیں، مگر وہ بے چارے بے خبر ہیں کہ اللہ میاں کے خلیفہ صاحب یہ ساری نیاز مندیاں ان کے لیے وقف فرما رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان میں سے بھی کوئی وہاں ان کی شفاعت کے لیے آگے بڑھنے والا نہ ہوگا۔ تیسری قسم اُن اکابر مجرمین کی ہے جنھوں نے خود کوشش کر کے، مکر و فریب سے کام لے کر، جھوٹ کے جال پھیلا کر، یا

QuranUrdu.com

كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَاَمَّا
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ

منکر ہو جائیں گے۔[17] جس روز وہ ساعت برپا ہوگی، اس دن (سب انسان) الگ الگ گروہوں میں بٹ جائیں[18] گے۔ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنھوں نے نیک عمل کیے ہیں، وہ ایک باغ میں[19] شاداں وفرحاں رکھے جائیں گے۔[20] اور جنھوں نے کفر کیا ہے اور ہماری آیات کو اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا ہے[21] وہ عذاب میں حاضر

طاقت استعمال کر کے دنیا میں خدا کے بندوں سے اپنی بندگی کرائی، مثلاً شیطان، جھوٹے مذہبی پیشوا، اور ظالم و جابر حکمراں وغیرہ۔ یہ وہاں خود گرفتارِ بلا ہوں گے، اپنے اِن بندوں کی سِفارش کے لیے آگے بڑھنا تو درکنار، اُن کی تو اُلٹی کوشش یہ ہوگی کہ اپنے نامۂ اعمال کا بوجھ ہلکا کریں اور داورِ محشر کے حضور یہ ثابت کر دیں کہ یہ لوگ اپنے جرائم کے خود ذمہ دار ہیں، ان کی گمراہی کا وبال ہم پر نہیں پڑنا چاہیے۔ اس طرح مشرکین کو وہاں کسی طرف سے بھی کوئی شَفاعت بہم نہ پہنچے گی۔

۱۷– یعنی اُس وقت یہ مشرکین خود اس بات کا اقرار کریں گے کہ ہم ان کو خدا کا شریک ٹھیرانے میں غَلَطی پر تھے۔ ان پر یہ حقیقت کھل جائے گی کہ فی الواقع ان میں سے کسی کا بھی خدائی میں کوئی حصّہ نہیں ہے، اس لیے جس شرک پر آج وہ دنیا میں اصرار کر رہے ہیں، اسی کا وہ آخرت میں انکار کریں گے۔

۱۸– یعنی دنیا کی وہ تمام جتھ بندیاں جو آج قوم، نسل، وطن، زبان، قبیلہ وبرادری، اور مَعاشی و سیاسی مفادات کی بنیاد پر بنی ہوئی ہیں، اُس روز ٹوٹ جائیں گی، اور خالص عقیدے اور اَخلاق و کردار کی بنیاد پر نئے سرے سے ایک دوسری گروہ بندی ہو گی۔ ایک طرف نوعِ انسانی کی تمام اگلی پچھلی قوموں میں سے مومن و صالح انسان الگ چھانٹ لیے جائیں گے اور ان سب کا ایک گروہ ہو گا۔ دوسری طرف ایک ایک قسم کے گمراہانہ نظریّات و عقائد رکھنے والے، اور ایک ایک قسم کے جرائم پیشہ لوگ اس عظیم الشان انسانی بِھیڑ میں سے چھانٹ چھانٹ کر الگ نکال لیے جائیں گے اور ان کے الگ الگ گروہ بن جائیں گے۔ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھنا چاہیے کہ اسلام جس چیز کو اِس دنیا میں تفریق اور اجتماع کی حقیقی بنیاد قرار دیتا ہے اور جسے جاہلیت کے پرستار یہاں ماننے سے انکار کرتے ہیں، آخرت میں اسی بنیاد پر تفریق بھی ہوگی اور اجتماع بھی۔

QuranUrdu.com

اسلام کہتا ہے کہ انسانوں کو کاٹنے اور جوڑنے والی اصل چیز عقیدہ اور اَخلاق ہے۔ ایمان لانے والے اور خدائی ہدایت پر نظامِ زندگی کی بنیاد رکھنے والے ایک اُمّت ہیں، خواہ وہ دنیا کے کسی گوشے سے تعلق رکھتے ہوں، اور کفر وفسق کی راہ اختیار کرنے والے ایک دوسری اُمّت ہیں، خواہ ان کا تعلّق کسی نسل و وطن سے ہو۔ ان دونوں کی قومیّت ایک نہیں ہوسکتی۔ یہ نہ دنیا میں ایک مشترک راہِ زندگی بنا کر ایک ساتھ چل سکتے ہیں اور نہ آخرت میں ان کا انجام ایک ہوسکتا ہے۔ دنیا سے آخرت تک ان کی راہ اور منزل ایک دوسرے سے الگ ہے۔ جاہلیّت کے پرستار اس کے برعکس ہر زمانے میں اصرار کرتے رہے ہیں اور آج بھی اسی بات پر مُصِرّ ہیں کہ جتھ بندی نسل اور وطن اور زبان کی بنیادوں پر ہونی چاہیے، ان بنیادوں کے لحاظ سے جو لوگ مشترک ہوں، انھیں بلالحاظِ مذہب و عقیدہ ایک قوم بن کر دوسری ایسی ہی قوموں کے مقابلے میں متحد ہونا چاہیے، اور اس قومیّت کا ایک ایسا نظامِ زندگی ہونا چاہیے جس میں توحید اور شرک اور دہریت کے معتقدین سب ایک ساتھ مل کر چل سکیں۔ یہی تخیُّل ابوجہل اور ابولہب اور سردارانِ قریش کا تھا، جب وہ بار بار محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر الزام رکھتے تھے کہ اِس شخص نے آ کر ہماری قوم میں تَفرِقَہ ڈال دیا ہے۔ اسی پر قرآن مجید یہاں مُتَنَبِّہ کر رہا ہے کہ تمھاری یہ تمام جتھ بندیاں جو تم نے اس دنیا میں غلط بنیادوں پر کر رکھی ہیں، آخرکار ٹوٹ جانے والی ہیں، اور نوعِ انسانی میں مستقل تفریق اُسی عقیدے اور نظریۂ حیات اور اَخلاق و کردار کی بنیاد پر ہونے والی ہے جس پر اسلام دنیا کی اِس زندگی میں کرنا چاہتا ہے۔ جن لوگوں کی منزل ایک نہیں ہے، ان کی راہِ زندگی آخر کیسے ایک ہوسکتی ہے؟

۱۹ – ’’ ایک باغ‘‘ کا لفظ یہاں اُس باغ کی عظمت وشان کا تصوّر دلانے کے لیے استعمال ہوا ہے۔ عربی زبان کی طرح اُردو میں بھی یہ اندازِ بیان اس غرض کے لیے معروف ہے۔ جیسے کوئی شخص کسی کو ایک بڑا اہم کام کرنے کو کہے اور اس کے ساتھ یہ کہے کہ تم نے یہ کام اگر کر دیا تو میں تمھیں ’’ ایک چیز‘‘ دوں گا، تو اس سے مراد یہ نہیں ہوتی کہ وہ چیز عدد کے لحاظ سے ایک ہوگی، بلکہ اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس کے انعام میں تم کو ایک بڑی قیمتی چیز دوں گا جسے پا کر تم نہال ہو جاؤ گے۔

۲۰ – اصل میں لفظ یُحۡبَرُوۡنَ استعمال ہوا ہے جس کے مفہُوم میں مَسَرَّت، لذّت، شان وشوکت اور تکریم کے تصوُّرات شامل ہیں۔ یعنی وہاں بڑی عزت کے ساتھ رکھے جائیں گے، خوش وخرم رہیں گے اور ہر طرح کی لذّتوں سے شاد کام ہوں گے۔

۲۱ – یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ ایمان کے ساتھ تو عملِ صالح کا ذکر کیا گیا ہے جس کے نتیجے میں وہ شان دار انجام نصیب ہوگا، لیکن کفر کا انجام بد بیان کرتے ہوئے عملِ بد کا کوئی ذکر نہیں فرمایا گیا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کفر بجائے خود آدمی کے انجام کو خراب کر دینے کے لیے کافی ہے، خواہ عمل کی خرابی اس کے ساتھ شامل ہو یا نہ ہو۔

QuranUrdu.com

مُحۡضَرُوۡنَ ﴿۱۶﴾ فَسُبۡحٰنَ اللّٰہِ حِیۡنَ تُمۡسُوۡنَ وَ حِیۡنَ تُصۡبِحُوۡنَ ﴿۱۷﴾ وَ
لَہُ الۡحَمۡدُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ عَشِیًّا وَّ حِیۡنَ تُظۡہِرُوۡنَ ﴿۱۸﴾

رکھے جائیں گے۔

پس[22] تسبیح کرو اللہ کی جب[23] کہ تم شام کرتے ہو اور جب صبح کرتے ہو۔ آسمانوں اور زمین میں اُسی کے لیے حمد ہے۔ اور (تسبیح کرو اس کی) تیسرے پہر اور جب کہ تم پر ظہر کا وقت آتا ہے۔[24]

۲۲- یہ "پس" اس معنیٰ میں ہے کہ جب تمھیں یہ معلوم ہو گیا کہ ایمان و عملِ صالح کا انجام وہ کچھ، اور کفر و تکذیب کا انجام یہ کچھ ہے تو تمھیں یہ طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیے۔ نیز یہ "پس" اس معنیٰ میں بھی ہے کہ مشرکین و کفار حیاتِ اُخروی کو ناممکن قرار دے کر اللہ تعالیٰ کو دراصل عاجز و درماندہ قرار دے رہے ہیں۔ لہٰذا تم اس کے مقابلے میں اللہ کی تسبیح کرو اور اِس کمزوری سے اُس کے پاک ہونے کا اعلان کرو۔ اس ارشاد کے مخاطب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے واسطے سے تمام اہلِ ایمان ہیں۔

۲۳- اللہ کی تسبیح کرنے سے مراد اُن تمام عیوب اور نقائص اور کمزوریوں سے، جو مشرکین اپنے شرک اور انکارِ آخرت سے اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں، اُس ذاتِ بے ہمتا کے پاک اور مُنزَّہ ہونے کا اعلان و اظہار کرنا ہے۔ اِس اعلان و اظہار کی بہترین صورت نماز ہے۔ اِسی بنا پر ابن عباسؓ، مجاہد، قَتادَہ، ابن زید اور دوسرے مفسّرین کہتے ہیں کہ یہاں تسبیح کرنے سے مراد نماز پڑھنا ہے۔ اس تفسیر کے حق میں یہ صریح قرینہ خود اس آیت میں موجود ہے کہ اللہ کی پاکی بیان کرنے کے لیے اِس میں چند خاص اوقات مقرر کیے گئے ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ اگر محض یہ عقیدہ رکھنا مقصود ہو کہ اللہ تمام عُیوب و نقائص سے مُنزَّہ ہے، تو اس کے لیے صبح و شام اور ظہر و عصر کے اوقات کی پابندی کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا، کیونکہ یہ عقیدہ تو مسلمان کو ہر وقت رکھنا چاہیے۔ اسی طرح اگر محض زبان سے اللہ کی پاکی کا اظہار مقصود ہو، تب بھی اِن اوقات کی تخصیص کے کوئی معنیٰ نہیں، کیونکہ یہ اظہار تو مسلمان کو ہر موقع پر کرنا چاہیے۔ اس لیے اوقات کی پابندی کے ساتھ تسبیح کرنے کا حکم لامحالہ اُس کی ایک خاص عملی صورت ہی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اور یہ عملی صورت نماز کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔

۲۴- اس آیت میں نماز کے چار اوقات کی طرف صاف اشارہ ہے: فجر، مغرب، عصر اور ظہر۔ اس کے علاوہ مزید اشارات جو قرآنِ مجید میں اوقاتِ نماز کی طرف کیے گئے ہیں، حسبِ ذیل ہیں:

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوۡکِ الشَّمۡسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیۡلِ وَ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ (بنی اسرائیل، آیت ۷۸) نماز قائم کرو آفتاب ڈھلنے کے بعد سے رات کی تاریکی تک، اور فجر کے وقت قرآن پڑھنے کا اہتمام کرو۔

QuranUrdu.com

وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّيۡلِ (ہود، آیت ۱۱۴)

اور نماز قائم کرو دن کے دونوں سروں پر اور کچھ رات گزرنے پر۔

وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ قَبۡلَ طُلُوۡعِ الشَّمۡسِ وَقَبۡلَ غُرُوۡبِهَا ۚ وَمِنۡ اٰنَآئِ الَّيۡلِ فَسَبِّحۡ وَ اَطۡرَافَ النَّهَارِ (طٰہٰ، آیت ۱۳۰)

اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو سورج نکلنے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے، اور رات کی کچھ گھڑیوں میں پھر تسبیح کرو، اور دن کے کناروں پر۔

ان میں سے پہلی آیت بتاتی ہے کہ نماز کے اوقات زوالِ آفتاب کے بعد سے عشا تک ہیں، اور اس کے بعد پھر فجر کا وقت ہے۔ دوسری آیت میں دن کے دونوں سروں سے مراد صبح اور مغرب کے اوقات ہیں، اور کچھ رات گزرنے پر سے مراد عشا کا وقت۔ تیسری آیت میں قبلِ طُلوعِ آفتاب سے مراد فجر، اور قبلِ غروب سے مراد عصر ہے۔ رات کی گھڑیوں میں مغرب اور عشا دونوں شامل ہیں۔ اور دن کے کنارے تین ہیں: ایک صبح، دوسرے زوالِ آفتاب، تیسرے مغرب۔ اس طرح قرآنِ مجید مختلف مقامات پر نماز کے اُن پانچوں اوقات کی طرف اشارہ کرتا ہے جن پر آج دنیا بھر کے مسلمان نماز پڑھتے ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ محض اِن آیات کو پڑھ کر کوئی شخص بھی اوقاتِ نماز متعین نہ کرسکتا تھا جب تک کہ اللہ کے مقرر کیے ہوئے معلّمِ قرآن، محمد صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے قول اور عمل سے ان کی طرف رہنمائی نہ فرماتے۔

یہاں ذرا تھوڑی دیر ٹھیر کر منکرینِ حدیث کی اِس جسارت پر غور کیجیے کہ وہ ''نماز پڑھنے'' کا مذاق اُڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ نماز جو آج مسلمان پڑھ رہے ہیں، یہ سرے سے وہ چیز ہی نہیں ہے جس کا قرآن میں حکم دیا گیا ہے۔ اُن کا ارشاد ہے کہ قرآن تو اقامتِ صلوٰۃ کا حکم دیتا ہے، اور اس سے مراد نماز پڑھنا نہیں بلکہ ''نظامِ رُبوبیّت'' قائم کرنا ہے۔ اب ذرا ان سے پوچھیے کہ وہ کون سا نرالا نظامِ رُبوبیّت ہے جسے یا تو طلوعِ آفتاب سے پہلے قائم کیا جاسکتا ہے یا پھر زوالِ آفتاب کے بعد سے کچھ رات گزرنے تک؟ اور وہ کون سا نظامِ رُبوبیّت ہے جو خاص جمعہ کے دن قائم کیا جانا مطلوب ہے؟ (اِذَا نُوۡدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنۡ يَّوۡمِ الۡجُمُعَةِ فَاسۡعَوۡا اِلٰى ذِكۡرِ اللّٰهِ)۔ اور نظامِ رُبوبیّت کی آخر وہ کون سی خاص قسم ہے کہ اسے قائم کرنے کے لیے جب آدمی کھڑا ہو تو پہلے منہ، اور کہنیوں تک ہاتھ، اور ٹخنوں تک پاؤں دھولے، اور سر پر مسح کرلے، ورنہ وہ اسے قائم نہیں کرسکتا؟ (اِذَا قُمۡتُمۡ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغۡسِلُوۡا وُجُوۡهَكُمۡ وَاَيۡدِيَكُمۡ اِلَى الۡمَرَافِقِ)۔ اور نظامِ رُبوبیّت کے اندر آخر یہ کیا خصوصیت ہے کہ اگر آدمی حالتِ جَنابَت میں ہو تو جب تک وہ غسل نہ کرلے، اسے قائم نہیں کرسکتا؟ (لَا تَقۡرَبُوا الصَّلٰوةَ ...... وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِىۡ سَبِيۡلٍ حَتّٰى تَغۡتَسِلُوۡا)۔ اور یہ کیا معاملہ ہے کہ اگر آدمی عورت کو چھو بیٹھا ہو اور پانی نہ ملے تو اس عجیب وغریب نظامِ رُبوبیّت کو قائم کرنے کے لیے اسے پاک مٹی پر ہاتھ مار کر اپنے چہرے اور منہ پر ملنا ہوگا؟ (اَوۡ لٰمَسۡتُمُ النِّسَآءَ فَلَمۡ تَجِدُوۡا مَآءً فَتَيَمَّمُوۡا صَعِيۡدًا طَيِّبًا فَامۡسَحُوۡا بِوُجُوۡهِكُمۡ وَاَيۡدِيۡكُمۡ مِّنۡهُ)۔ اور یہ کیسا عجیب نظامِ رُبوبیّت ہے کہ اگر سفر پیش آجائے تو آدمی اسے پورا قائم کرنے

QuranUrdu.com

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ
الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ع ۱۹ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ
اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ۲۰

وہ زندہ میں سے مُردے کو نکالتا ہے اور مُردے میں سے زندہ کو نکال لاتا ہے اور زمین کو اس کی موت کے بعد زندگی بخشتا ہے[۲۵]۔ اسی طرح تم لوگ بھی (حالتِ موت سے) نکال لیے جاؤ گے ع

اُس[۲۶] کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر یکایک تم بشر ہو کہ (زمین میں) پھیلتے چلے جا رہے ہو[۲۷]۔

کے بجائے آدھا ہی قائم کر لے؟ (وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ)۔ پھر یہ کیا لطیفہ ہے کہ اگر جنگ کی حالت ہو تو فوج کے آدھے سپاہی ہتھیار لیے ہوئے امام کے پیچھے "نظامِ رُبوبیّت" قائم کرتے رہیں اور آدھے دشمن کے مقابلے میں ڈٹے رہیں، اس کے بعد جب پہلا گروہ امام کے پیچھے "نظامِ رُبوبیت" قائم کرتے ہوئے ایک سجدہ کر لے تو وہ اُٹھ کر دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے چلا جائے، اور دوسرا گروہ اس کی جگہ آ کر امام کے پیچھے اس "نظامِ رُبوبیّت" کو قائم کرنا شروع کر دے۔ (وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ ۣ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ ۠ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ)۔ قرآنِ مجید کی یہ ساری آیات صاف بتا رہی ہیں کہ اقامتِ صلوٰۃ سے مراد وہی نماز قائم کرنا ہے جو مسلمان دنیا بھر میں پڑھ رہے ہیں، لیکن منکرینِ حدیث ہیں کہ خود بدلنے کے بجائے قرآن کو بدلنے پر اصرار کیے چلے جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں بالکل ہی بے باک نہ ہو جائے، وہ اس کے کلام کے ساتھ یہ مذاق نہیں کر سکتا جو یہ حضرات کر رہے ہیں۔ یا پھر قرآن کے ساتھ یہ کھیل وہ شخص کھیل سکتا ہے جو اپنے دل میں اسے اللہ کا کلام نہ سمجھتا ہو اور محض دھوکا دینے کے لیے قرآن قرآن پکار کر مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہتا ہو۔ (اس سلسلے میں آگے حاشیہ ۵۰ بھی مُلاحظہ ہو)۔

۲۵ – یعنی جو خدا ہر آن تمھاری آنکھوں کے سامنے یہ کام کر رہا ہے، وہ آخر انسان کو مرنے کے بعد دوبارہ زندگی بخشنے سے عاجز کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ ہر وقت زندہ انسانوں اور حیوانات میں سے فُضلات (waste matter) خارج کر رہا ہے جن کے اندر زندگی کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ وہ ہر لحمہ بے جان مادّے (dead matter)

QuranUrdu.com

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ
بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿٢١﴾

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمھارے لیے تمھاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں[28] تاکہ تم ان کے پاس سُکون حاصل کرو[29] اور تمھارے درمیان محبّت اور رحمت پیدا کر دی۔[30] یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔

کے اندر زندگی کی رُوح پھونک کر بے شمار جیتے جاگتے حیوانات، نباتات اور انسان وجود میں لا رہا ہے، حالاں کہ بجائے خود اُن مادّوں میں، جن سے اِن زندہ ہستیوں کے جسم مرکّب ہوتے ہیں، قطعاً کوئی زندگی نہیں ہوتی۔ وہ ہر آن یہ منظر تمھیں دکھا رہا ہے کہ بنجر پڑی ہوئی زمین کو جہاں پانی میسر آیا اور یکایک وہ حیوانی اور نباتی زندگی کے خزانے اُگلنا شروع کر دیتی ہے۔ یہ سب کچھ دیکھ کر بھی اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ اس کارخانۂ ہستی کو چلانے والا خدا انسان کے مرجانے کے بعد اسے دوبارہ زندہ کرنے سے عاجز ہے تو حقیقت میں وہ عقل کا اندھا ہے۔ اس کے سر کی آنکھیں جن ظاہری مناظر کو دیکھتی ہیں، اس کی عقل کی آنکھیں ان کے اندر نظر آنے والے روشن حقائق کو نہیں دیکھتیں۔

۲۶ – خبردار رہنا چاہیے کہ یہاں سے رکوع کے خاتمے تک اللہ تعالیٰ کی جو نشانیاں بیان کی جا رہی ہیں، وہ ایک طرف تو اُوپر کے سلسلۂ کلام کی مناسبت سے حیاتِ اُخروی کے امکان و وقوع پر دلالت کرتی ہیں، اور دوسری طرف یہی نشانیاں اس بات پر بھی دلالت کرتی ہیں کہ یہ کائنات نہ بے خدا ہے اور نہ اس کے بہت سے خدا ہیں، بلکہ صرف ایک خدا اس کا تنہا خالق، مدبّر، مالک اور فرماں روا ہے جس کے سوا انسانوں کا کوئی معبود نہیں ہونا چاہیے۔ اس طرح یہ رُکوع اپنے مضمون کے لحاظ سے تقریرِ ماسبق اور تقریرِ مابعد، دونوں کے ساتھ مربوط ہے۔

۲۷ – یعنی انسان کا مایۂ تخلیق اِس کے سوا کیا ہے کہ چند بے جان مادّے ہیں جو زمین میں پائے جاتے ہیں۔ مثلاً کچھ کاربن، کچھ کیلشیم، کچھ سوڈیم، اور ایسے ہی چند اور عناصر۔ انھی کو ترکیب دے کر وہ حیرت انگیز ہستی بنا کھڑی کی گئی ہے جس کا نام انسان ہے اور اس کے اندر احساسات، جذبات، شعور، تعقُّل اور تخیُّل کی وہ عجیب قوتیں پیدا کر دی گئی ہیں جن میں سے کسی کا منبع بھی اس کے عناصرِ ترکیبی میں تلاش نہیں کیا جا سکتا۔ پھر یہی نہیں کہ ایک انسان اتفاقاً ایسا بن کھڑا ہوا ہو، بلکہ اس کے اندر وہ عجیب تولیدی قوت بھی پیدا کر دی گئی جس کی بدولت کروڑوں اور اربوں انسان وہی ساخت اور وہی صلاحیتیں لیے ہوئے بے شمار موروثی اور بے حد و حساب انفرادی خصوصیات کے حامل نکلتے چلے آ رہے ہیں۔ کیا تمھاری عقل یہ گواہی دیتی ہے کہ یہ انتہائی حکیمانہ خِلقت کسی صانع حکیم کی تخلیق کے بغیر آپ سے آپ ہو گئی ہے؟ کیا تم بحالتِ ہوش و حواس یہ کہہ سکتے ہو کہ تخلیقِ انسان جیسا

QuranUrdu.com

عظیم الشان منصوبہ بنانا اور اس کو عمل میں لانا اور زمین و آسمان کی بے حد وحساب قوتوں کو انسانی زندگی کے لیے سازگار کر دینا بہت سے خداؤں کی فکر وتدبیر کا نتیجہ ہوسکتا ہے؟ اور کیا تمھارا دماغ اپنی صحیح حالت میں ہوتا ہے جب تم یہ گمان کرتے ہو کہ جو خدا انسان کو خالص عَدَم سے وجود میں لایا ہے، وہ اسی انسان کو موت دینے کے بعد دوبارہ زندہ نہیں کرسکتا؟

۲۸- یعنی خالق کا کمال حکمت یہ ہے کہ اس نے انسان کی صرف ایک صِنْف نہیں بنائی، بلکہ اسے دو صِنفوں (sexes) کی شکل میں پیدا کیا، جو انسانیت میں یکساں ہیں، جن کی بناوٹ کا بنیادی فارمولا بھی یکساں ہے، مگر دونوں ایک دوسرے سے مختلف جسمانی ساخت، مختلف ذہنی ونفسی اوصاف، اور مختلف جذبات و داعیات لے کر پیدا ہوتی ہیں۔ اور پھر ان کے درمیان یہ حیرت انگیز مناسبت رکھ دی گئی ہے کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کا پورا جوڑ ہے، ہر ایک کا جسم اور اس کے نفسیات و داعیات دوسرے کے جسمانی ونفسیاتی تقاضوں کا مکمل جواب ہیں۔ مزید برآں وہ خالقِ حکیم اِن دونوں صنفوں کے افراد کو آغازِ آفرینش سے برابر اِس تناسُب کے ساتھ پیدا کیے چلا جا رہا ہے کہ آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ دنیا کی کسی قوم یا کسی خطۂ زمین میں صرف لڑکے ہی لڑکے پیدا ہوئے ہوں، یا کہیں کسی قوم میں صرف لڑکیاں ہی لڑکیاں پیدا ہوتی چلی گئی ہوں۔ یہ ایسی چیز ہے جس میں کسی انسانی تدبیر کا قطعاً کوئی دخل نہیں ہے۔ انسان ذرّہ برابر بھی نہ اِس معاملے میں اثر انداز ہوسکتا ہے کہ لڑکیاں مسلسل ایسی زنانہ خصوصیات اور لڑکے مسلسل ایسی مردانہ خُصوصیات لیے ہوئے پیدا ہوتے رہیں جو ایک دوسرے کا ٹھیک جوڑ ہوں، اور نہ اِس معاملے ہی میں اس کے پاس اثر انداز ہونے کا کوئی ذریعہ ہے کہ عورتوں اور مردوں کی پیدایش اس طرح مسلسل ایک تناسب کے ساتھ ہوتی چلی جائے۔ ہزارہا سال سے کروڑوں اور اربوں انسانوں کی پیدایش میں اس تدبیر وانتظام کا اتنے متناسب طریقے سے پیہم جاری رہنا اتفاقاً بھی نہیں ہوسکتا، اور یہ بہت سے خداؤں کی مشترک تدبیر کا نتیجہ بھی نہیں ہوسکتا۔ یہ چیز صریحاً اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ ایک خالقِ حکیم، اور ایک ہی خالقِ حکیم نے اپنی غالب حکمت وقدرت سے ابتداءً مرد اور عورت کا ایک موزوں ترین ڈیزائن بنایا، پھر اس بات کا انتظام کیا کہ اس ڈیزائن کے مطابق بے حد وحساب مرد اور بے حد وحساب عورتیں اپنی الگ الگ انفرادی خصوصیات لیے ہوئے دنیا بھر میں ایک تناسُب کے ساتھ پیدا ہوں۔

۲۹- یعنی یہ انتظام اَلّل ٹپ نہیں ہوگیا ہے بلکہ بنانے والے نے بالارادہ اِس غَرَض کے لیے یہ انتظام کیا ہے کہ مرد اپنی فطرت کے تقاضے عورت کے پاس، اور عورت اپنی فطرت کی مانگ مرد کے پاس پائے، اور دونوں ایک دوسرے سے وابستہ ہو کر ہی سکون واطمینان حاصل کریں۔ یہی وہ حکیمانہ تدبیر ہے جسے خالق نے ایک طرف انسانی نسل کے برقرار رہنے کا، اور دوسری طرف انسانی تہذیب وتمدُّن کو وجود میں لانے کا ذریعہ بنایا ہے۔ اگر یہ دونوں صنفیں محض الگ الگ ڈیزائنوں کے ساتھ پیدا کر دی جاتیں اور ان میں وہ اضطراب نہ رکھ دیا جاتا جو اُن کے باہمی اتصال و وابستگی کے بغیر مُبدَّل بہ سُکون نہیں ہوسکتا، تو انسانی نسل تو ممکن ہے کہ بھیڑ بکریوں کی طرح چل جاتی، لیکن

QuranUrdu.com

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ

اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش،[۳۱] اور تمھاری زبانوں اور

کسی تہذیب وتمدّن کے وجود میں آنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ تمام انواعِ حیوانی کے برعکس نوعِ انسانی میں تہذیب وتمدّن کے رُونما ہونے کا بنیادی سبب یہی ہے کہ خالق نے اپنی حکمت سے مرد اور عورت میں ایک دوسرے کے لیے وہ مانگ، وہ پیاس، وہ اضطراب کی کیفیت رکھ دی جسے سُکون میسّر نہیں آتا جب تک کہ وہ ایک دوسرے سے جُڑ کر نہ رہیں۔ یہی سُکون کی طلب ہے جس نے انھیں مل کر گھر بنانے پر مجبُور کیا۔ اسی کی بدولت خاندان اور قبیلے وجود میں آئے۔ اور اسی کی بدولت انسان کی زندگی میں تمدّن کا نَشْوونَما ہوا۔ اس نَشْوونَما میں انسان کی ذہنی صلاحیتیں مددگار ضرور ہوئی ہیں مگر وہ اس کی اصلی محرک نہیں ہیں۔ اصل محرک یہی اضطراب ہے جسے مرد وعورت کے وجود میں ودیعت کر کے انھیں ''گھر'' کی تاسیس پر مجبُور کر دیا گیا۔ کون صاحبِ عقل یہ سوچ سکتا ہے کہ دانائی کا یہ شاہکار فطرت کی اندھی طاقتوں سے محض اتفاقاً سرزد ہو گیا ہے؟ یا بہت سے خدا یہ انتظام کر سکتے تھے کہ اس گہرے حکیمانہ مقصد کو ملحوظ رکھ کر ہزارہا برس سے مسلسل بے شمار مَردوں اور بے شمار عورتوں کو یہ خاص اضطراب لیے ہوئے پیدا کرتے چلے جائیں؟ یہ تو ایک حکیم اور ایک ہی حکیم کی حکمت کا صریح نشان ہے جسے صرف عقل کے اندھے ہی دیکھنے سے انکار کر سکتے ہیں۔

۳۰- محبّت سے مراد یہاں جنسی محبّت (sexual love) ہے جو مرد اور عورت کے اندر جذب وکشش کی ابتدائی محرک بنتی ہے اور پھر انھیں ایک دوسرے سے چسپاں کیے رکھتی ہے۔ اور رحمت سے مراد وہ روحانی تعلق ہے جو اِزْدِواجی زندگی میں بتدریج اُبھرتا ہے، جس کی بدولت وہ ایک دوسرے کے خیر خواہ، ہمدرد وغم خوار اور شریکِ رنج و راحت بن جاتے ہیں، یہاں تک کہ ایک وقت ایسا آتا ہے جب جنسی محبّت پیچھے جا پڑتی ہے اور بڑھاپے میں یہ جیون ساتھی کچھ جوانی سے بھی بڑھ کر ایک دوسرے کے حق میں رحیم وشفیق ثابت ہوتے ہیں۔ یہ دو مثبت طاقتیں ہیں جو خالق نے اُس ابتدائی اضطراب کی مدد کے لیے انسان کے اندر پیدا کی ہیں جس کا ذکر اُوپر گزرا ہے۔ وہ اضطراب تو صرف سکون چاہتا ہے اور اس کی تلاش میں مرد وعورت کو ایک دوسرے کی طرف لے جاتا ہے۔ اس کے بعد یہ دو طاقتیں آگے بڑھ کر ان کے درمیان مستقل رفاقت کا ایسا رشتہ جوڑ دیتی ہیں جو دو الگ ماحولوں میں پرورش پائے ہوئے اجنبیوں کو ملا کر کچھ اس طرح پیوستہ کرتا ہے کہ عمر بھر وہ زندگی کے منجدھار میں اپنی کشتی ایک ساتھ کھینچتے رہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ محبّت ورحمت جس کا تجرِبہ کروڑوں انسانوں کو اپنی زندگی میں ہو رہا ہے، کوئی مادّی چیز نہیں ہے جو وزن اور پیمائش میں آسکے، نہ انسانی جسم کے عناصرِ ترکیبی میں کہیں اس کے سرچشمے کی نشان دِہی کی جاسکتی ہے، نہ کسی لیبارٹری میں اس کی پیدائش اور اس کے نَشْوونَما کے اسباب کا کھوج لگایا جا سکتا ہے۔ اس کی کوئی توجیہ اس کے سوا نہیں کی جاسکتی کہ ایک خالقِ حکیم نے بالارادہ ایک مقصد کے لیے پوری مناسبت کے ساتھ اسے نفسِ انسانی

QuranUrdu.com

وَ اَلۡوَانِكُمۡ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلۡعٰلِمِيۡنَ ﴿۲۲﴾

تمھارے رنگوں کا اختلاف ہے۔[۳۲] یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں دانش مند لوگوں کے لیے۔

میں ودیعت کر دیا ہے۔

۳۱- یعنی اُن کا عَدَم سے وجود میں آنا، اور ایک اٹل ضابطے پر ان کا قائم ہونا، اور بے شمار قوتوں کا ان کے اندر انتہائی تناسُب و توازُن کے ساتھ کام کرنا، اپنے اندر اس بات کی بہت سی نشانیاں رکھتا ہے کہ اس پوری کائنات کو ایک خالق اور ایک ہی خالق وجود میں لایا ہے، اور وہی اس عظیم الشان نظام کی تدبیر کر رہا ہے۔ ایک طرف اگر اس بات پر غور کیا جائے کہ وہ ابتدائی قوت (energy) کہاں سے آئی جس نے مادّے کی شکل اختیار کی، پھر مادّے کے یہ بہت سے عناصر کیسے بنے، پھر ان عناصر کی اس قدر حکیمانہ ترکیب سے اتنی حیرت انگیز مناسبتوں کے ساتھ یہ مدہوش کُن نظامِ عالَم کیسے بن گیا، اور اب یہ نظام کروڑ ہا کروڑ صدیوں سے کس طرح ایک زبردست قانونِ فطرت کی بندش میں کسا ہوا چل رہا ہے، تو ہر غیر متعصب عقل اس نتیجے پر پہنچے گی کہ یہ سب کچھ کسی علیم و حکیم کے غالب ارادے کے بغیر محض بخت و اتفاق کے نتیجے میں نہیں ہو سکتا۔ اور دوسری طرف اگر یہ دیکھا جائے کہ زمین سے لے کر کائنات کے بعید ترین سیّاروں تک سب ایک ہی طرح کے عناصر سے مرکب ہیں اور ایک ہی قانونِ فطرت ان میں کارفرما ہے، تو ہر عقل جو ہٹ دھرم نہیں ہے، بلاشبہ یہ تسلیم کرے گی کہ یہ سب کچھ بہت سے خداؤں کی خدائی کا کرشمہ نہیں ہے بلکہ ایک ہی خدا اِس پوری کائنات کا خالق اور رب ہے۔

۳۲- یعنی باوجودیکہ تمھارے قُوائے نُطقیہ یکساں ہیں، نہ منہ اور زبان کی ساخت میں کوئی فرق ہے اور نہ دماغ کی ساخت میں، مگر زمین کے مختلف خِطّوں میں تمھاری زبانیں مختلف ہیں، پھر ایک ہی زبان بولنے والے علاقوں میں شہر شہر اور بستی بستی کی بولیاں مختلف ہیں، اور مزید یہ کہ ہر شخص کا لہجہ اور تلفُّظ اور طرزِ گفتگو دوسرے سے مختلف ہے۔ اِسی طرح تمھارا مادّۂ تخلیق اور تمھاری بناوٹ کا فارمولا ایک ہی ہے، مگر تمھارے رنگ اس قدر مختلف ہیں کہ قوم اور قوم تو درکنار، ایک ماں باپ کے دو بیٹوں کا رنگ بھی بالکل یکساں نہیں ہے۔ یہاں نمونے کے طور پر صرف دو ہی چیزوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ لیکن اسی رُخ پر آگے بڑھ کر دیکھیے تو دنیا میں آپ ہر طرف اتنا تنوُّع (variety) پائیں گے کہ اس کا احاطہ مشکل ہو جائے گا۔ انسان، حیوان، نباتات اور دوسری تمام اشیا کی جس نوع کو بھی آپ لے لیں، اس کے افراد میں بنیادی یکسانی کے باوجود بے شمار اختلافات موجود ہیں، حتّٰی کہ کسی نوع کا بھی کوئی ایک فرد دوسرے سے بالکل مشابہ نہیں ہے، حتّٰی کہ ایک درخت کے دو پتّوں میں بھی پوری مُشابہت نہیں پائی جاتی۔ یہ چیز صاف بتا رہی ہے کہ یہ دنیا کوئی ایسا کارخانہ نہیں ہے جس میں خود کار مشینیں چل رہی ہوں اور کثیر پیداآوری (mass production) کے طریقے پر ہر قسم کی اشیا کا بس ایک ایک ٹھپّا ہو جس سے ڈھل ڈھل کر ایک ہی طرح کی چیزیں نکلتی چلی آ رہی ہوں۔ بلکہ یہاں ایک ایسا زبردست کاریگر کام کر رہا ہے

QuranUrdu.com

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَ النَّهَارِ وَ ابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۲۳﴾

اور اُس کی نشانیوں میں سے تمھارا رات اور دن کو سونا اور تمھارا اس کے فضل کو تلاش کرنا ہے[۳۳]۔ یقیناً اِس میں بہت سی نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو (غور سے) سُنتے ہیں۔

جو ہر ہر چیز کو پوری انفرادی توجہ کے ساتھ ایک نئے ڈیزائن، نئے نقش ونگار، نئے تناسُب اور نئے اوصاف کے ساتھ بناتا ہے اور اس کی بنائی ہوئی ہر چیز اپنی جگہ منفرد ہے۔ اس کی قوتِ ایجاد ہر آن ہر چیز کا ایک نیا ماڈل نکال رہی ہے، اور اس کی صنّاعی ایک ڈیزائن کو دوسری مرتبہ دُہرانا اپنے کمال کی توہین سمجھتی ہے۔ اس حیرت انگیز منظر کو جو شخص بھی آنکھیں کھول کر دیکھے گا، وہ کبھی اس احمقانہ تصور میں مبتلا نہیں ہوسکتا کہ اس کائنات کا بنانے والا ایک دفعہ اس کارخانے کو چلا کر کہیں جا سویا ہے۔ یہ تو اس بات کا کُھلا ثبوت ہے کہ وہ ہر وقت کارِ تخلیق میں لگا ہوا ہے اور اپنی خِلق کی ایک ایک چیز پر انفرادی توجہ صَرف کر رہا ہے۔

۳۳۔ فضل کو تلاش کرنے سے مراد رزق کی تلاش میں دوڑ دھوپ کرنا ہے۔ انسان اگرچہ بالعموم رات کو سوتا اور دن کو اپنی مَعاش کے لیے جِدّوجُہد کرتا ہے، لیکن یہ کُلِّیّہ نہیں ہے۔ بہت سے انسان دن کو بھی سوتے اور رات کو بھی معاش کے لیے کام کرتے ہیں۔ اسی لیے رات اور دن کا اکٹھا ذکر کر کے فرمایا کہ ان دونوں اوقات میں تم سوتے بھی ہو اور اپنی مَعاش کے لیے دوڑ دھوپ بھی کرتے ہو۔

یہ چیز بھی اُن نشانیوں میں سے ہے جو ایک خالقِ حکیم کی تدبیر کا پتا دیتی ہیں۔ بلکہ مزید برآں یہ چیز اس بات کی نشان دِہی بھی کرتی ہے کہ وہ محض خالق ہی نہیں ہے بلکہ اپنی مخلوق پر غایت درجے رحیم وشفیق اور اس کی ضروریات اور مصلحتوں کے لیے خود اُس سے بڑھ کر فکر کرنے والا ہے۔ انسان دنیا میں مسلسل محنت نہیں کر سکتا بلکہ ہر چند گھنٹوں کی محنت کے بعد اسے چند گھنٹوں کے لیے آرام درکار ہوتا ہے، تاکہ پھر چند گھنٹے محنت کرنے کے لیے اسے قوت بہم پہنچ جائے۔ اس غرض کے لیے خالقِ حکیم ورحیم نے انسان کے اندر صرف تکان کا احساس، اور صرف آرام کی خواہش پیدا کر دینے ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اس نے "نیند" کا ایک ایسا زبردست داعیہ اس کے وجود میں رکھ دیا جو اس کے ارادے کے بغیر، حتّٰی کہ اس کی مزاحمت کے باوجود، خود بخود ہر چند گھنٹوں کی بیداری ومحنت کے بعد اسے آ دبوچتا ہے، چند گھنٹے آرام لینے پر اس کو مجبور کر دیتا ہے، اور ضرورت پوری ہو جانے کے بعد خود بخود اسے چھوڑ دیتا ہے۔ اس نیند کی ماہیت وکیفیت اور اس کے حقیقی اسباب کو

QuranUrdu.com

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَيُحْيٖ
بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۴﴾

اور اُس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ تمھیں بجلی کی چمک دکھاتا ہے خوف کے ساتھ بھی اور طمع کے ساتھ بھی۔[۳۴] اور آسمان سے پانی برساتا ہے، پھر اس کے ذریعے سے زمین کو اس کی موت کے بعد زندگی بخشتا ہے۔[۳۵] یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔

آج تک انسان نہیں سمجھ سکا ہے۔ یہ قطعاً ایک پیدائشی چیز ہے جو آدمی کی فطرت اور اس کی ساخت میں رکھ دی گئی ہے۔ اس کا ٹھیک انسان کی ضرورت کے مطابق ہونا ہی اس بات کی شہادت دینے کے لیے کافی ہے کہ یہ ایک اتفاقی حادثہ نہیں ہے بلکہ کسی حکیم نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق یہ تدبیر وضع کی ہے۔ اس میں ایک بڑی حکمت و مصلحت اور مقصدیت صاف طور پر کارفرما نظر آتی ہے۔ مزید برآں یہی نیند اس بات پر بھی گواہ ہے کہ جس نے یہ مجبورکُن داعیہ انسان کے اندر رکھا ہے، وہ انسان کے حق میں خود اس سے بڑھ کر خیر خواہ ہے، ورنہ انسان بالارادہ نیند کی مزاحمت کر کے اور زبردستی جاگ جاگ کر اور مسلسل کام کر کر کے اپنی قوتِ کار کو ہی نہیں، قوتِ حیات تک کو ختم کر ڈالتا۔

پھر رزق کی تلاش کے لیے ’’اللہ کے فضل کی تلاش‘‘ کا لفظ استعمال کر کے نشانیوں کے ایک دوسرے سلسلے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ آدمی آخر یہ رزق تلاش ہی کہاں کرسکتا تھا اگر زمین و آسمان کی بے حد و حساب طاقتوں کو رزق کے اسباب و ذرائع پیدا کرنے میں نہ لگا دیا گیا ہوتا، اور زمین میں انسان کے لیے رزق کے بے شمار ذرائع نہ پیدا کر دیے گئے ہوتے۔ صرف یہی نہیں، بلکہ رزق کی یہ تلاش اور اس کا اکتساب اُس صورت میں بھی ممکن نہ ہوتا اگر انسان کو اِس کام کے لیے مناسب ترین اعضا اور مناسب ترین جسمانی اور ذہنی صلاحیتیں نہ دی گئی ہوتیں۔ پس آدمی کے اندر تلاشِ رزق کی قابلیت، اور اُس کے وجود سے باہر وسائلِ رزق کی موجودگی، صاف صاف ایک ربِّ رحیم و کریم کے وجود کا پتا دیتی ہے۔ جو عقل بیمار نہ ہو وہ کبھی یہ فرض نہیں کرسکتی کہ یہ سب کچھ اتفاقاً ہوگیا ہے، یا یہ بہت سے خداؤں کی خدائی کا کرشمہ ہے، یا کوئی بے درد اندھی قوت اِس فضل و کرم کی ذمّہ دار ہے۔

۳۴- یعنی اس کی گرج اور چمک سے اُمید بھی بندھتی ہے کہ بارش ہوگی اور فصلیں تیار ہوں گی، مگر ساتھ ہی خوف بھی لاحق ہوتا ہے کہ کہیں بجلی نہ گر پڑے، یا ایسی طوفانی بارش نہ ہو جائے جو سب کچھ بہا لے جائے۔

۳۵- یہ چیز ایک طرف حیات بعد الموت کی نشان دہی کرتی ہے، اور دوسری طرف یہی چیز اِس امر

QuranUrdu.com

وَ مِنۡ اٰیٰتِہٖۤ اَنۡ تَقُوۡمَ السَّمَآءُ وَ الۡاَرۡضُ بِاَمۡرِہٖ ؕ ثُمَّ اِذَا دَعَاکُمۡ دَعۡوَۃً ٭ۖ مِّنَ الۡاَرۡضِ ٭ۖ اِذَاۤ اَنۡتُمۡ تَخۡرُجُوۡنَ ﴿۲۵﴾

اور اُس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں۔[۳۶] پھر جونہی کہ اُس نے تمھیں زمین سے پکارا، بس ایک ہی پکار میں اچانک تم نکل آؤ گے۔[۳۷]

پر بھی دلالت کرتی ہے کہ خدا ہے، اور زمین و آسمان کی تدبیر کرنے والا ایک ہی خدا ہے۔ زمین کی بے شمار مخلوقات کے رزق کا انحصار اُس پیداوار پر ہے جو زمین سے نکلتی ہے۔ اس پیداوار کا انحصار زمین کی صلاحیتِ بار آوری پر ہے۔ اس صلاحیت کے روبکار آنے کا انحصار بارش پر ہے، خواہ وہ براہِ راست زمین پر برسے، یا اس کے ذخیرے سطحِ زمین پر جمع ہوں، یا زیرِ زمین چشموں اور کنوں کی شکل اختیار کریں، یا پہاڑوں پر یخ بستہ ہوکر دریاؤں کی شکل میں بہیں۔ پھر اس بارش کا انحصار سورج کی گرمی پر، موسموں کے ردّ و بدل پر، فضائی حرارت و برودت پر، ہواؤں کی گردش پر، اور اُس بجلی پر ہے جو بادلوں سے بارش برسنے کی محرک بھی ہوتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ بارش کے پانی میں ایک طرح کی قدرتی کھاد بھی شامل کر دیتی ہے۔ زمین سے لے کر آسمان تک کی اِن تمام مختلف چیزوں کے درمیان یہ ربط اور مناسبتیں قائم ہونا، پھر ان سب کا بے شمار مختلف النوع مقاصد اور مصلحتوں کے لیے صریحاً سازگار ہونا، اور ہزاروں لاکھوں برس تک اِن کا پوری ہم آہنگی کے ساتھ مسلسل سازگاری کرتے چلے جانا، کیا یہ سب کچھ محض اتفاقاً ہو سکتا ہے؟ کیا یہ کسی صانع کی حکمت اور اس کے سوچے سمجھے منصوبے اور اس کی غالب تدبیر کے بغیر ہو گیا ہے؟ اور کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ زمین، سورج، ہوا، پانی، حرارت، برودت، اور زمین کی مخلوقات کا خالق اور رب ایک ہی ہے؟

۳۶ - یعنی صرف یہی نہیں کہ وہ اُس کے حکم سے ایک دفعہ وجود میں آ گئے ہیں، بلکہ ان کا مسلسل قائم رہنا اور ان کے اندر ایک عظیم الشان کارگاہِ ہستی کا پیہم چلتے رہنا بھی اسی کے حکم کی بدولت ہے۔ ایک لمحے کے لیے بھی اگر اس کا حکم انھیں برقرار نہ رکھے تو یہ سارا نظام یک لخت درہم برہم ہو جائے۔

۳۷ - یعنی کائنات کے خالق و مدبر کے لیے تمھیں دوبارہ زندہ کر کے اُٹھانا کوئی ایسا بڑا کام نہیں ہے کہ اُسے اِس کے لیے بہت بڑی تیاریاں کرنی ہوں گی، بلکہ اس کی صرف ایک پکار اِس کے لیے بالکل کافی ہو گی کہ آغازِ آفرینش سے آج تک جتنے انسان دنیا میں پیدا ہوئے ہیں اور آیندہ پیدا ہوں گے، وہ سب ایک ساتھ زمین کے ہر گوشے سے نکل کھڑے ہوں۔

QuranUrdu.com

وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَهُوَ
الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ؕ وَلَهُ
الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ
الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾ ع ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ؕ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا
مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ
تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ

ع ۳ ۸

آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں اُس کے بندے ہیں، سب کے سب اسی کے تابعِ فرمان ہیں۔ وہی ہے جو تخلیق کی ابتدا کرتا ہے، پھر وہی اس کا اعادہ کرے گا اور یہ اس کے لیے آسان تر[۳۸] ہے۔ آسمانوں اور زمین میں اس کی صفت سب سے برتر ہے اور وہ زبردست اور حکیم ہے۔ ع

وہ تمھیں[۳۹] خود تمھاری اپنی ہی ذات سے ایک مثال دیتا ہے۔ کیا تمھارے اُن غلاموں میں سے جو تمھاری مِلکیّت میں ہیں کچھ غلام ایسے بھی ہیں جو ہمارے دیے ہوئے مال و دولت میں تمھارے ساتھ برابر کے شریک ہوں اور تم اُن سے اُس طرح ڈرتے ہو جس طرح آپس میں اپنے ہمسروں سے ڈرتے ہو؟[۴۰] ——— اِس طرح ہم آیات کھول کر پیش کرتے ہیں

۳۸- یعنی پہلی مرتبہ پیدا کرنا اگر اُس کے لیے مشکل نہ تھا، تو آخر تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ دوبارہ پیدا کرنا اس کے لیے مشکل ہو جائے گا؟ پہلی مرتبہ کی پیدائش میں تو تم خود جیتے جاگتے موجود ہو۔ اس لیے اس کا مشکل نہ ہونا تو ظاہر ہے۔ اب یہ بالکل سیدھی سادھی عقل کی بات ہے کہ ایک دفعہ جس نے کسی چیز کو بنایا ہو، اس کے لیے وہی چیز دوبارہ بنانا نسبتاً زیادہ ہی آسان ہونا چاہیے۔

۳۹- یہاں تک توحید اور آخرت کا بیان مِلا جُلا چل رہا تھا۔ اس میں جن نشانیوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، ان کے اندر توحید کے دلائل بھی ہیں اور وہی دلائل یہ بھی ثابت کرتے ہیں کہ آخرت کا آنا غیر ممکن

QuranUrdu.com

لِقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۲۸﴾ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَهۡوَآءَهُمۡ بِغَيۡرِ
عِلۡمٍ‌ۚ فَمَنۡ يَّهۡدِىۡ مَنۡ اَضَلَّ اللّٰهُ‌ؕ وَمَا لَهُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِيۡنَ ﴿۲۹﴾

اُن لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ مگر یہ ظالم بے سمجھے بُوجھے اپنے تخیُّلات کے پیچھے چل پڑے ہیں۔ اب کون اُس شخص کو راستہ دکھا سکتا ہے جسے اللہ نے بھٹکا دیا ہو۔[۴۱] ایسے لوگوں کا تو کوئی مددگار نہیں ہو سکتا۔

نہیں ہے۔ اس کے بعد آگے خالص توحید پر کلام شروع ہو رہا ہے۔

۴۰ – مشرکین یہ تسلیم کرنے کے بعد کہ زمین و آسمان اور اس کی سب چیزوں کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہے، اُس کی مخلوقات میں سے بعض کو خدائی صفات و اختیارات میں اس کا شریک ٹھیراتے تھے، اور ان سے دعائیں مانگتے، ان کے آگے نذریں اور نیازیں پیش کرتے، اور مراسمِ عُبودیت بجا لاتے تھے۔ اِن بناوٹی شریکوں کے بارے میں اُن کا اصل عقیدہ اُس تَلبِیَہ کے الفاظ میں ہم کو ملتا ہے جو خانۂ کعبہ کا طواف کرتے وقت وہ زبان سے ادا کرتے تھے۔ وہ اس موقع پر کہتے تھے: لبّیك اللّٰھم لبّیك لا شریك لك الّا شریکا ھو لك تملکه وما ملك۔ (طَبَرانی عن ابنِ عباسؓ) ''میں حاضر ہوں، میرے اللہ! میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، سوائے اُس شریک کے جو تیرا اپنا ہے، تو اُس کا بھی مالک ہے اور جو کچھ اُس کی مِلکیّت ہے اس کا بھی تُو مالک ہے۔'' اللہ تعالیٰ اس آیت میں اِسی شرک کی تردید فرما رہا ہے۔ تمثیل کا منشا یہ ہے کہ خدا کے دیے ہوئے مال میں خدا ہی کے پیدا کیے ہوئے وہ انسان، جو اتفاقاً تمھاری غلامی میں آ گئے ہیں، تمھارے تو شریک نہیں قرار پا سکتے، مگر تم نے یہ عجیب دھاندلی مچا رکھی ہے کہ خدا کی پیدا کی ہوئی کائنات میں خدا کی پیدا کردہ مخلوق کو بے تکلف اُس کے ساتھ خدائی کا شریک ٹھیراتے ہو۔ اس طرح کی احمقانہ باتیں سوچتے ہوئے آخر تمھاری عقل کہاں ماری جاتی ہے۔ (مزید تشریح کے لیے مُلاحظہ ہو: تفہیم القرآن، جلد دوم، النحل، حاشیہ ۶۲)

۴۱ – یعنی جب کوئی شخص سیدھی سیدھی عقل کی بات نہ خود سوچے اور نہ کسی کے سمجھانے سے سمجھنے کے لیے تیار ہو، تو پھر اس کی عقل پر اللہ کی پھٹکار پڑ جاتی ہے اور اس کے بعد ہر وہ چیز جو کسی معقول آدمی کو حق بات تک پہنچنے میں مدد دے سکتی ہے، وہ اس ضدی جہالت پسند انسان کو اُلٹی مزید گمراہی میں مبتلا کرتی چلی جاتی ہے۔ یہی کیفیت ہے جسے ''بھٹکانے'' کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ راستی پسند انسان جب اللہ سے ہدایت کی توفیق طلب کرتا ہے تو اللہ اس کی طلبِ صادق کے مطابق اس کے لیے زیادہ سے زیادہ اسبابِ ہدایت پیدا فرما دیتا ہے۔ اور گمراہی پسند انسان جب گمراہ ہی ہونے پر اصرار کرتا ہے تو پھر اللہ اس کے لیے وہی اسباب

QuranUrdu.com

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ

پس[42] (اے نبیؐ! اور نبیؐ کے پیروو!) یک سُو ہو کر اپنا رُخ اِس دین[43] کی سمت میں جما دو،[44] قائم ہو جاؤ اُس فطرت پر جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے،[45]

پیدا کرتا چلا جاتا ہے جو اسے بھٹکا کر روز بروز حق سے دُور لیے چلے جاتے ہیں۔

۴۲ – یہ ”پس“ اس معنیٰ میں ہے کہ جب حقیقت تم پر کھل چکی، اور تم کو معلوم ہو گیا کہ اس کائنات کا اور خود انسان کا خالق و مالک اور حاکم ذی اختیار ایک اللہ کے سوا اور کوئی نہیں ہے تو اس کے بعد لامحالہ تمھارا طرزِ عمل یہ ہونا چاہیے۔

۴۳ – اِس دین سے مراد وہ خاص دین ہے جسے قرآن پیش کر رہا ہے، جس میں بندگی، عبادت اور طاعت کا مستحق اللہ وحدہٗ لاشریک کے سوا اور کوئی نہیں ہے، جس میں اُلوہیّت اور اس کی صفات و اختیارات اور اس کے حقوق میں قطعاً کسی کو بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہیں ٹھیرایا جاتا، جس میں انسان اپنی رضا و رغبت سے اس بات کی پابندی اختیار کرتا ہے کہ وہ اپنی پوری زندگی اللہ کی ہدایت اور اس کے قانون کی پیروی میں بسر کرے گا۔

۴۴ – ”یک سُو ہو کر اپنا رُخ اِس طرف جما دو“، یعنی پھر کسی اور طرف کا رُخ نہ کرو۔ زندگی کے لیے اِس راہ کو اختیار کر لینے کے بعد پھر کسی دوسرے راستے کی طرف التفات تک نہ ہونے پائے۔ پھر تمھاری فکر اور سوچ ہو تو مسلمان کی سی اور تمھاری پسند اور ناپسند ہو تو مسلمان کی سی۔ تمھاری قدریں اور تمھارے معیار ہوں تو وہ جو اسلام تمھیں دیتا ہے، تمھارے اَخلاق اور تمھاری سیرت و کردار کا ٹھپّا ہو تو اُس طرح کا جو اسلام چاہتا ہے، اور تمھاری انفرادی و اجتماعی زندگی کے معاملات چلیں تو اُس طریقے پر جو اسلام نے تمھیں بتایا ہے۔

۴۵ – یعنی تمام انسان اِس فطرت پر پیدا کیے گئے ہیں کہ ان کا کوئی خالق اور کوئی رب اور کوئی معبُود اور مُطاعِ حقیقی ایک اللہ کے سوا نہیں ہے۔ اسی فطرت پر تم کو قائم ہو جانا چاہیے۔ اگر خود مختاری کا رَوِیّہ اختیار کرو گے تب بھی فطرت کے خلاف چلو گے، اور اگر بندگیِ غیر کا طوق اپنے گلے میں ڈالو گے تب بھی اپنی فطرت کے خلاف کام کرو گے۔

اس مضمون کو متعدّد احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرمایا ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: ما من مولود یولد الا علی الفطرۃ فابواہ یھودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ کما تنتج البھیمۃ بھیمۃ جمعاء، ھل تحسون فیھا من جدعاء۔ یعنی ہر بچہ جو کسی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے، اصل انسانی فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ یہ ماں باپ ہیں جو اسے بعد میں عیسائی یا یہودی یا مجوسی وغیرہ بنا ڈالتے ہیں۔

QuranUrdu.com

لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ

اللہ کی بنائی ہوئی ساخت بدلی نہیں جا سکتی[۴۶]، یہی بالکل راست اور دُرست دین[۴۷] ہے، مگر اکثر لوگ

اس کی مثال ایسی ہے جیسے ہر جانور کے پیٹ سے پورا کا پورا صحیح و سالم جانور برآمد ہوتا ہے، کوئی بچہ بھی کٹے ہوئے کان لے کر نہیں آتا، بعد میں مشرکین اپنے اوہامِ جاہلیّت کی بنا پر اس کے کان کاٹتے ہیں۔

مُسندِ احمد اور نَسائی میں ایک اور حدیث ہے کہ ایک جنگ میں مسلمانوں نے دشمنوں کے بچوں تک کو قتل کر دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو سخت ناراض ہوئے اور فرمایا: ما بال اقوام جاوزهم القتل اليوم حتّٰى قتلوا الذُّرِّيَّةَ، ''لوگوں کو کیا ہو گیا کہ آج وہ حد سے گزر گئے اور بچوں تک کو قتل کر ڈالا۔'' ایک شخص نے عرض کیا: کیا یہ مشرکین کے بچے نہ تھے؟ فرمایا: انما خيارکم ابناء المشرکين، ''تمھارے بہترین لوگ مشرکین ہی کی تو اولاد ہیں۔'' پھر فرمایا: کل نسمة تولد على الفطرة حتي يعرب عنه لسانها فابواها يهودانها او ينصرانها، ''ہر مُتنفِّس فطرت پر پیدا ہوتا ہے، یہاں تک کہ جب اس کی زبان کُھلنے پر آتی ہے تو ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی بنا لیتے ہیں۔''

ایک اور حدیث جو امام احمدؒ نے عِیاضؓ بن حِمار المُجاشِعی سے نقل کی ہے، اس میں بیان ہوا ہے کہ ایک روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبے کے دوران میں فرمایا: ان ربی يقول انی خلقت عبادی حنفاء کلهم وانهم اتتهم الشياطين فاضلتهم عن دينهم وحَرَّمَتْ عليهم ما احللتُ لهم وأَمَرَتْهم ان يشرکوا بی ما لم انزل بِهٖ سُلطَانا، ''میرا رب فرماتا ہے کہ میں نے اپنے تمام بندوں کو حنیف پیدا کیا تھا، پھر شیاطین نے آ کر انھیں ان کے دین سے گمراہ کیا، اور جو کچھ میں نے ان کے لیے حلال کیا تھا اسے حرام کیا، اور انھیں حکم دیا کہ میرے ساتھ اُن چیزوں کو شریک ٹھیرائیں جن کے شریک ہونے پر مَیں نے کوئی دلیل نازل نہیں کی ہے۔''

۴۶۔ یعنی خدا نے انسان کو اپنا بندہ بنایا ہے اور اپنی ہی بندگی کے لیے پیدا کیا ہے۔ یہ ساخت کسی کے بدلے نہیں بدل سکتی۔ نہ آدمی بندہ سے غیر بندہ بن سکتا ہے، نہ کسی غیرِ خدا کو خدا بنا لینے سے وہ حقیقت میں اس کا خدا بن سکتا ہے۔ انسان خواہ اپنے کتنے ہی معبود بنا بیٹھے، لیکن یہ امرِ واقعہ اپنی جگہ اٹل ہے کہ وہ ایک خدا کے سوا کسی کا بندہ نہیں ہے۔ انسان اپنی حماقت اور جہالت کی بنا پر جس کو بھی چاہے خدائی صفات و اختیارات کا حامل قرار دے لے اور جسے بھی چاہے اپنی قسمت کا بنانے اور بگاڑنے والا سمجھ بیٹھے، مگر حقیقتِ نفس الامری یہی ہے کہ نہ اُلوہیّت کی صفات اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو حاصل ہیں نہ اس کے اختیارات، اور نہ کسی دوسرے کے پاس یہ طاقت ہے کہ انسان کی قسمت بنا سکے یا بگاڑ سکے۔

ایک دوسرا ترجمہ اس آیت کا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ''اللہ کی بنائی ہوئی ساخت میں تبدیلی نہ کی جائے۔'' یعنی اللہ نے جس فطرت پر انسان کو پیدا کیا ہے، اس کو بگاڑنا اور مسخ کرنا درست نہیں ہے۔

QuranUrdu.com

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا
تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۳۱﴾ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَ

جانتے نہیں ہیں۔ (قائم ہو جاؤ اس بات پر) اللہ کی طرف رُجوع کرتے ہوئے[۴۸]، اور ڈرو اُس
سے[۴۹] اور نماز قائم کرو[۵۰]، اور نہ ہو جاؤ اُن مشرکین میں سے جنھوں نے اپنا اپنا دین الگ بنا لیا ہے اور

۴۷ – یعنی فطرتِ سلیمہ پر قائم رہنا ہی سیدھا اور صحیح طریقہ ہے۔

۴۸ – اللہ کی طرف رُجوع سے مراد یہ ہے کہ جس نے بھی آزادی و خود مختاری کا رَوِیّہ اختیار کر کے اپنے مالکِ حقیقی سے انحراف کیا ہو، یا جس نے بھی بندگیِ غیر کا طریقہ اختیار کر کے اپنے اصلی و حقیقی رب سے بے وفائی کی ہو، وہ اپنی اس روش سے باز آ جائے اور اُسی ایک خدا کی بندگی کی طرف پلٹ آئے جس کا بندہ حقیقت میں وہ پیدا ہُوا ہے۔

۴۹ – یعنی تمھارے دل میں اس بات کا خوف ہونا چاہیے کہ اگر اللہ کے پیدائشی بندے ہونے کے باوجود تم نے اس کے مقابلے میں خود مختاری کا رَوِیّہ اختیار کیا، یا اس کے بجائے کسی اور کی بندگی کی، تو اِس غداری و نمک حرامی کی سخت سزا تمھیں بھگتنی ہوگی۔ اس لیے تمھیں ایسی ہر روش سے بچنا چاہیے جو تم کو خدا کے غضب کا مستحق بناتی ہو۔

۵۰ – اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اور اس کے غضب کا خوف، دونوں قلب کے افعال ہیں۔ اس قلبی کیفیت کو اپنے ظہور اور اپنے استحکام کے لیے لازماً کسی ایسے جسمانی فعل کی ضرورت ہے جس سے خارج میں بھی ہر شخص کو معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص واقعی اللہ وحدہٗ لاشریک کی بندگی کی طرف پلٹ آیا ہے، اور آدمی کے اپنے نفس میں بھی اِس رجوع و تقویٰ کی کیفیت کو ایک عملی مُمارَسَت کے ذریعے سے پے در پے نَشو و نُما نصیب ہوتا چلا جائے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ اُس ذہنی تبدیلی کا حکم دینے کے بعد فوراً ہی اِس جسمانی عمل، یعنی اقامتِ صلوٰۃ کا حکم دیتا ہے۔ آدمی کے ذہن میں جب تک کوئی خیال محض خیال کی حد تک رہتا ہے، اس میں استحکام اور پائداری نہیں ہوتی۔ اُس خیال کے ماند پڑ جانے کا بھی خطرہ رہتا ہے اور بدل جانے کا بھی امکان ہوتا ہے۔ لیکن جب وہ اُس کے مطابق کام کرنے لگتا ہے تو وہ خیال اس کے اندر جڑ پکڑ لیتا ہے، اور جوں جوں وہ اس پر عمل کرتا جاتا ہے، اس کا استحکام بڑھتا چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ اس عقیدہ و فکر کا بدل جانا یا ماند پڑ جانا مشکل سے مشکل تر ہوتا جاتا ہے۔ اس نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو رجوع الی اللہ اور خوفِ خدا کو مستحکم کرنے کے لیے ہر روز پانچ وقت پابندی کے ساتھ نماز ادا کرنے سے بڑھ کر کوئی عمل کارگر نہیں ہے۔ کیونکہ دوسرا جو عمل بھی ہو، اُس کی نوبت دیر دیر میں آتی ہے یا متفرق صورتوں میں مختلف مواقع پر آتی ہے۔ لیکن نماز ایک ایسا عمل ہے جو ہر چند گھنٹوں کے بعد ایک ہی متعین صورت میں آدمی کو دائماً کرنا ہوتا ہے،

QuranUrdu.com

كَانُوْا شِيَعًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَ اِذَا مَسَّ النَّاسَ
ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَاۤ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً

گروہوں میں بٹ گئے ہیں، ہر ایک گروہ کے پاس جو کچھ ہے اسی میں وہ مگن[51] ہے۔

لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب انھیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے رب کی طرف رُجوع کر کے اُسے پکارتے ہیں[52]، پھر جب وہ کچھ اپنی رحمت کا ذائقہ انھیں چکھا دیتا ہے تو

اور اس میں ایمان و اسلام کا وہ پورا سبق، جو قرآن نے اسے پڑھایا ہے، آدمی کو بار بار دُہرانا ہوتا ہے، تاکہ وہ اسے بھولنے نہ پائے۔ مزید برآں کفار اور اہلِ ایمان، دونوں پر یہ ظاہر ہونا ضروری ہے کہ انسانی آبادی میں سے کس کس نے بغاوت کی روش چھوڑ کر اطاعتِ رب کی روش اختیار کر لی ہے۔ اہلِ ایمان پر اِس کا ظہور اس لیے درکار ہے کہ ان کی ایک جماعت اور سوسائٹی بن سکے اور وہ خدا کی راہ میں ایک دوسرے سے تعاون کر سکیں، اور ایمان و اسلام سے جب بھی ان کے گروہ کے کسی شخص کا تعلق ڈھیلا پڑنا شروع ہو، اسی وقت کوئی کُھلی علامت فوراً ہی تمام اہلِ ایمان کو اس کی حالت سے باخبر کر دے۔ کفار پر اِس کا ظہور اِس لیے ضروری ہے کہ ان کے اندر کی سوئی ہوئی فطرت اپنے ہم جنس انسانوں کو خداوندِ حقیقی کی طرف بار بار پلٹتے دیکھ کر جاگ سکے، اور جب تک وہ نہ جاگے، ان پر خدا کے فرمانبرداروں کی عملی سرگرمی دیکھ دیکھ کر دہشت طاری ہوتی رہے۔ ان دونوں مقاصد کے لیے بھی اقامتِ صلوٰۃ ہی سب سے زیادہ موزوں ذریعہ ہے۔

اس مَقام پر یہ بات بھی نگاہ میں رہنی چاہیے کہ اقامتِ صلوٰۃ کا یہ حکم مکّۂ معظّمہ کے اُس دَور میں دیا گیا تھا جب کہ مسلمانوں کی ایک مُٹھی بھر جماعت کفّارِ قریش کے ظلم وستم کی چکّی میں پس رہی تھی اور اس کے بعد بھی ۹ برس تک پِستی رہی۔ اُس وقت دُور دُور بھی کہیں اسلامی حکومت کا نام ونشان نہیں تھا۔ اگر نماز اسلامی حکومت کے بغیر بے معنٰی ہوتی، جیسا کہ بعض نادان سمجھتے ہیں، یا اقامتِ صلوٰۃ سے مراد نماز قائم کرنا سرے سے ہوتا ہی نہیں بلکہ ”نظامِ رُبُوبیّت“ چلانا ہوتا، جیسا کہ منکرینِ سنّت کا دعویٰ ہے، تو اس حالت میں قرآنِ مجید کا یہ حکم دینا آخر کیا معنٰی رکھتا ہے؟ اور یہ حکم آنے کے بعد ۹ سال تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان اِس حکم کی تعمیل آخر کس طرح کرتے رہے؟

۵۱ – یہ اشارہ ہے اِس چیز کی طرف کہ نوعِ انسانی کا اصل دین وہی دینِ فطرت ہے جس کا اُوپر ذکر کیا گیا ہے۔ یہ دین مشرکانہ مذاہب سے بتدریج ارتقا کرتا ہوا توحید تک نہیں پہنچا ہے، جیسا کہ قیاس وگمان سے ایک فلسفۂ مذہب گھڑ لینے والے حضرات سمجھتے ہیں، بلکہ اس کے برعکس یہ جتنے مذاہب دنیا میں پائے جاتے ہیں،

QuranUrdu.com

اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۭ فَتَمَتَّعُوْا ۣ وقفة
فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾ اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا
كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَ اِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا ۭ

یکایک ان میں سے کچھ لوگ شرک کرنے لگتے ہیں[۵۳]، تاکہ ہمارے کیے ہوئے احسان کی ناشکری کریں۔ اچھا، مزے کرلو، عنقریب تمھیں معلوم ہو جائے گا۔ کیا ہم نے کوئی سند اور دلیل ان پر نازل کی ہے جو شہادت دیتی ہو اس شرک کی صداقت پر جو یہ کر رہے ہیں؟[۵۴]

جب ہم لوگوں کو رحمت کا ذائقہ چکھاتے ہیں تو وہ اس پر پھول جاتے ہیں،

یہ سب کے سب اُس اصلی دین میں بگاڑ آنے سے رُونما ہوئے ہیں۔ اور یہ بگاڑ اس لیے آیا ہے کہ مختلف لوگوں نے فطری حقائق پر اپنی اپنی نَو ایجاد باتوں کا اضافہ کر کے اپنے الگ دین بنا ڈالے اور ہر ایک اصل حقیقت کے بجائے اُس اضافہ شدہ چیز کا گرویدہ ہو گیا جس کی بدولت وہ دوسروں سے جُدا ہو کر ایک مستقل فرقہ بنا تھا۔ اب جو شخص بھی ہدایت پا سکتا ہے، وہ اِسی طرح پا سکتا ہے کہ اُس اصل حقیقت کی طرف پلٹ جائے جو دینِ حق کی بنیاد تھی، اور بعد کے ان تمام اضافوں سے اور ان کے گرویدہ ہونے والے گروہوں سے دامن جھاڑ کر بالکل الگ ہو جائے۔ ان کے ساتھ ربط کا جو رشتہ بھی وہ لگائے رکھے گا، وہی دین میں خلل کا موجب ہو گا۔

۵۲- یہ اس بات کی کُھلی دلیل ہے کہ ان کے دل کی گہرائیوں میں توحید کی شہادت موجود ہے۔ اُمیدوں کے سہارے جب بھی ٹُوٹنے لگتے ہیں، ان کا دل خود ہی اندر سے پکارنے لگتا ہے کہ اصل فرمانروائی کائنات کے مالک ہی کی ہے اور اسی کی مدد ان کی بگڑی بنا سکتی ہے۔

۵۳- یعنی پھر دوسرے معبُودوں کی نذریں اور نیازیں چڑھنی شروع ہو جاتی ہیں اور کہا جانے لگتا ہے کہ یہ مصیبت فُلاں حضرت کے طفیل اور فُلاں آستانے کے صدقے میں ٹلی ہے۔

۵۴- یعنی آخر کس دلیل سے ان لوگوں کو یہ معلوم ہوا کہ بلائیں خدا نہیں ٹالتا بلکہ حضرت ٹالا کرتے ہیں؟ کیا عقل اس کی شہادت دیتی ہے؟ یا کوئی کتابِ الٰہی ایسی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہو کہ میں اپنے خدائی کے اختیارات فلاں فلاں حضرتوں کو دے چکا ہوں اور اب وہ تم لوگوں کے کام بنایا کریں گے؟

QuranUrdu.com

وَ اِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَیِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتۡ اَیۡدِیۡهِمۡ اِذَا هُمۡ یَقۡنَطُوۡنَ ﴿۳۶﴾
اَوَ لَمۡ یَرَوۡا اَنَّ اللّٰهَ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَ یَقۡدِرُ ؕ اِنَّ
فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۳۷﴾ فَاٰتِ ذَا الۡقُرۡبٰی حَقَّهٗ
وَ الۡمِسۡكِیۡنَ وَ ابۡنَ السَّبِیۡلِ ؕ ذٰلِكَ خَیۡرٌ لِّلَّذِیۡنَ یُرِیۡدُوۡنَ وَجۡهَ اللّٰهِ ۫

اور جب ان کے اپنے کیے کرتُوتوں سے ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو یکایک وہ مایوس ہونے لگتے ہیں۔[55] کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں ہیں کہ اللہ ہی رزق کشادہ کرتا ہے جس کا چاہتا ہے اور تنگ کرتا ہے (جس کا چاہتا ہے)۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔[56] پس (اے مومن!) رشتہ دار کو اس کا حق دے اور مسکین و مسافر کو (اُس کا حق)۔[57] یہ طریقہ بہتر ہے اُن لوگوں کے لیے جو اللہ کی خوشنودی چاہتے ہوں،

۵۵- اُوپر کی آیت میں انسان کی جَہالت وحماقت اور اس کی ناشکری ونمک حرامی پر گرفت تھی۔ اس آیت میں اس کے چھچھور پن اور کم ظرفی پر گرفت کی گئی ہے۔ اِس تھُڑدِلے کو جب دنیا میں کچھ دولت، طاقت، عزت نصیب ہوجاتی ہے اور یہ دیکھتا ہے کہ اِس کا کام خوب چل رہا ہے، تو اِسے یاد نہیں رہتا کہ یہ سب کچھ اللہ کا دیا ہے۔ یہ سمجھتا ہے کہ میرے ہی کچھ سُرخاب کے پَر لگے ہوئے ہیں جو مجھے وہ کچھ میسر ہُوا جس سے دوسرے محروم ہیں۔ اس غلط فہمی میں فخر وغرور کا نشہ اس پر ایسا چڑھتا ہے کہ پھر یہ نہ خدا کو خاطر میں لاتا ہے نہ خلق کو۔ لیکن جونہی کہ اقبال نے منہ موڑا، اِس کی ہمت جواب دے جاتی ہے اور بدنصیبی کی ایک ہی چوٹ اس پر دل شکستگی کی وہ کیفیت طاری کر دیتی ہے جس میں یہ ہر ذلیل سے ذلیل حرکت کر گزرتا ہے، حتّٰی کہ خودکُشی تک کر جاتا ہے۔

۵۶- یعنی اہلِ ایمان اس سے سبق حاصل کر سکتے ہیں کہ کفر وشرک کا انسان کے اَخلاق پر کیا اثر پڑتا ہے، اور اس کے برعکس ایمان باللہ کے اَخلاقی نتائج کیا ہیں۔ جو شخص سچّے دل سے خدا پر ایمان رکھتا ہو اور اسی کو رزق کے خزانوں کا مالک سمجھتا ہو، وہ کبھی اُس کم ظرفی میں مبتلا نہیں ہوسکتا جس میں خدا کو بھولے ہوئے لوگ مبتلا ہوتے ہیں۔ اُسے کشادہ رزق ملے تو پھولے گا نہیں، شکر کرے گا، خلقِ خدا کے ساتھ تواضع اور فیّاضی سے پیش آئے گا، اور خدا کا مال خدا کی راہ میں صَرف کرنے سے ہرگز دریغ نہ کرے گا۔ تنگی کے ساتھ رزق ملے، یا فاقے ہی پڑ جائیں، تب بھی صبر سے کام لے گا، دیانت وامانت اور خودداری کو ہاتھ سے نہ دے گا،

QuranUrdu.com

وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْٓ اَمْوَالِ

اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔[۵۸] جو سُود تم دیتے ہو تا کہ لوگوں کے اموال میں شامل ہو کر

اور آخر وقت تک خدا سے فضل و کرم کی آس لگائے رہے گا۔ یہ اَخلاقی بلندی نہ کسی دہریّے کو نصیب ہو سکتی ہے نہ مشرک کو۔

۵۷- یہ نہیں فرمایا کہ رشتہ دار، مسکین اور مسافر کو خیرات دے۔ ارشاد یہ ہُوا ہے کہ یہ اُس کا حق ہے جو تجھے دینا چاہیے، اور حق ہی سمجھ کر تُو اسے دے۔ اس کو دیتے ہوئے یہ خیال تیرے دل میں نہ آنے پائے کہ یہ کوئی احسان ہے جو تو اس پر کر رہا ہے، اور تو کوئی بڑی ہستی ہے دان کرنے والی، اور وہ کوئی حقیر مخلوق ہے تیرا دیا کھانے والی۔ بلکہ یہ بات اچھی طرح تیرے ذہن نشین رہے کہ مال کے مالکِ حقیقی نے اگر تجھے زیادہ دیا ہے اور دوسرے بندوں کو کم عطا فرمایا ہے تو یہ زائد مال اُن دوسروں کا حق ہے جو تیری آزمایش کے لیے تیرے ہاتھ میں دے دیا گیا ہے، تا کہ تیرا مالک دیکھے کہ تو ان کا حق پہچانتا اور پہنچاتا ہے یا نہیں۔

اس ارشادِ الٰہی اور اس کی اصلی رُوح پر جو شخص بھی غور کرے گا، وہ یہ محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ قرآنِ مجید انسان کے لیے اَخلاقی و روحانی ارتقا کا جو راستہ تجویز کرتا ہے، اس کے لیے ایک آزاد معاشرہ اور آزاد معیشت (free economy) کی موجودگی ناگزیر ہے۔ یہ ارتقا کسی ایسے اجتماعی ماحول میں ممکن نہیں ہے جہاں لوگوں کے حُقوقِ مِلکیّت ساقط کر دیے جائیں، ریاست تمام ذرائع کی مالک ہو جائے اور افراد کے درمیان تقسیمِ رزق کا پورا کاروبار حکومت کی مشینری سنبھال لے، حتّٰی کہ نہ کوئی فرد اپنے اُوپر کسی کا کوئی حق پہچان کر دے سکے، اور نہ کوئی دوسرا فرد کسی سے کچھ لے کر اس کے لیے اپنے دل میں کوئی جذبۂ خیر سگالی پرورش کر سکے۔ اس طرح کا خالص کمیونسٹ نظامِ تمدّن و معیشت، جسے آج کل ہمارے ملک میں ''قرآنی نظامِ رُبوبیّت'' کے پُر فریب نام سے زبردستی قرآن کے سر منڈھا جا رہا ہے، قرآن کی اپنی اسکیم کے بالکل خلاف ہے، کیونکہ اس میں انفرادی اخلاق کے نشوونما اور انفرادی سیرتوں کی تشکیل و ترقی کا دروازہ قطعاً بند ہو جاتا ہے۔ قرآن کی اسکیم تو اُسی جگہ چل سکتی ہے جہاں افراد کچھ وسائلِ دولت کے مالک ہوں، ان پر آزادانہ تصرّف کے اختیارات رکھتے ہوں، اور پھر اپنی رضا و رغبت سے خدا اور اس کے بندوں کے حقوق اخلاص کے ساتھ ادا کریں۔ اِسی قسم کے معاشرے میں یہ امکان پیدا ہوتا ہے کہ فرداً فرداً لوگوں میں ایک طرف ہمدردی، رحم و شفقت، ایثار و قربانی اور حق شناسی و ادائے حقوق کے اعلیٰ اوصاف پیدا ہوں، اور دوسری طرف جن لوگوں کے ساتھ بھلائی کی جائے ان کے دلوں میں بھلائی کرنے والوں کے لیے خیر خواہی، احسان مندی، اور جزاء الاحسان بالاحسان کے پاکیزہ جذبات نشوونما پائیں، یہاں تک کہ وہ مثالی حالت پیدا ہو جائے جس میں بدی کا رکنا اور نیکی کا فروغ پانا کسی قوتِ جابرہ کی مداخلت پر موقوف نہ ہو، بلکہ لوگوں کی اپنی پاکیزگیِ نفس اور ان کے اپنے نیک ارادے اس ذمہ داری کو سنبھال لیں۔

QuranUrdu.com

النَّاسِ فَلَا یَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِیْدُوْنَ وَجْهَ

وہ بڑھ جائے، اللہ کے نزدیک وہ نہیں بڑھتا،^۵۹ اور جو زکوٰۃ تم اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے

۵۸- یہ مطلب نہیں ہے کہ فلاح صرف مسکین اور مسافر اور رشتہ دار کا حق ادا کر دینے سے حاصل ہو جاتی ہے، اس کے علاوہ اور کوئی چیز حُصُولِ فلاح کے لیے درکار نہیں ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ انسانوں میں سے جو لوگ اِن حقوق کو نہیں پہچانتے اور نہیں ادا کرتے، وہ فلاح پانے والے نہیں ہیں، بلکہ فلاح پانے والے وہ ہیں جو خالص اللہ کی خوشنودی کے لیے یہ حقوق پہچانتے اور ادا کرتے ہیں۔

۵۹- قرآنِ مجید میں یہ پہلی آیت ہے جو سُود کی مَذمّت میں نازل ہوئی۔ اس میں صرف اتنی بات فرمائی گئی ہے کہ تم لوگ تو سود یہ سمجھتے ہوئے دیتے ہو کہ جس کو ہم یہ زائد مال دے رہے ہیں اس کی دولت بڑھے گی، لیکن درحقیقت اللہ کے نزدیک سود سے دولت کی افزائش نہیں ہوتی بلکہ زکوٰۃ سے ہوتی ہے۔ آگے چل کر جب مدینۂ طیبہ میں سُود کی حرمت کا حکم نازل کیا گیا تو اس پر مزید یہ بات ارشاد فرمائی گئی کہ یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ "اللہ سود کا مُٹھ مار دیتا ہے اور صدقات کو نشوونَما دیتا ہے۔" (بعد کے احکام کے لیے مُلاحظہ ہو: آلِ عمران، آیت ۱۳۰۔ البقرہ، آیات ۲۷۵ تا ۲۸۱)

اس آیت کی تفسیر میں مفسّرین کے دو اقوال ہیں: ایک گروہ کہتا ہے کہ یہاں ربٰوا سے مراد وہ سُود نہیں ہے جو شرعاً حرام کیا گیا ہے، بلکہ وہ عَطِیّہ یا ہدیہ وتحفہ ہے جو اِس نیّت سے دیا جائے کہ لینے والا بعد میں اس سے زیادہ واپس کرے گا، یا مُعطی کے لیے کوئی مفید خدمت انجام دے گا، یا اس کا خوشحال ہو جانا مُعطی کی اپنی ذات کے لیے نافع ہوگا۔ یہ ابنِ عباسؓ، مجاہد، ضَحّاک، قَتادہ، عِکرِمہ، محمد بن کَعب القُرَظی اور شَعْبی کا قول ہے۔ اور غالباً یہ تفسیر ان حضرات نے اس بنا پر فرمائی ہے کہ آیت میں اِس فعل کا نتیجہ صرف اتنا ہی بتایا گیا ہے کہ اللہ کے ہاں اس دولت کو کوئی افزائش نصیب نہ ہوگی، حالانکہ اگر معاملہ اُس سود کا ہوتا جسے شریعت نے حرام کیا ہے تو مثبت طور پر فرمایا جاتا کہ اللہ کے ہاں اس پر سخت عذاب دیا جائے گا۔

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ نہیں، اس سے مراد وہی معروف ربٰوا ہے جسے شریعت نے حرام کیا ہے۔ یہ رائے حضرت حسن بصریؒ اور سُدّی کی ہے، اور علامۂ آلُوسی کا خیال ہے کہ آیت کا ظاہری مفہوم یہی ہے، کیونکہ عربی زبان میں ربٰوا کا لفظ اسی معنی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اسی تاویل کو مفسّر نیسابوری نے بھی اختیار کیا ہے۔

ہمارے خیال میں بھی یہی دوسری تفسیر صحیح ہے، اس لیے کہ معروف معنٰی کو چھوڑنے کے لیے وہ دلیل کافی نہیں ہے جو اُوپر تفسیرِ اوّل کے حق میں بیان ہوئی ہے۔ سورۂ روم کا نُزول جس زمانے میں ہوا ہے اُس وقت قرآنِ مجید میں سود کی حرمت کا اعلان نہیں ہوا تھا۔ یہ اعلان اس کے کئی برس بعد ہُوا ہے۔ قرآنِ مجید کا طریقہ یہ ہے کہ جس چیز کو بعد میں کسی وقت حرام کرنا ہوتا ہے، اس کے لیے وہ پہلے سے ذہنوں کو تیار کرنا شروع کر دیتا ہے۔

QuranUrdu.com

اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ ثُمَّ رَزَقَکُمْ ثُمَّ
یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ ؕ ھَلْ مِنْ شُرَکَآئِکُمْ مَّنْ یَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِکُمْ مِّنْ
شَیْءٍ ؕ سُبْحٰنَہٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ﴿۴۰﴾ ع ظَھَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ
بِمَا کَسَبَتْ اَیْدِی النَّاسِ لِیُذِیْقَھُمْ بَعْضَ الَّذِیْ عَمِلُوْا لَعَلَّھُمْ

ع ۱۳

ارادے سے دیتے ہو، اسی کے دینے والے درحقیقت اپنے مال بڑھاتے ہیں۔[۶۰]

اللہ[۶۱] ہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا، پھر تمھیں رزق دیا،[۶۲] پھر وہ تمھیں موت دیتا ہے، پھر وہ تمھیں زندہ کرے گا۔ کیا تمھارے ٹھیرائے ہوئے شریکوں میں کوئی ایسا ہے جو ان میں سے کوئی کام بھی کرتا ہو؟[۶۳] پاک ہے وہ اور بہت بالا و برتر ہے اُس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ ع خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا ہے لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے، تاکہ مزا چکھائے اُن کو ان کے بعض اعمال کا، شاید کہ وہ

شراب کے معاملے میں بھی پہلے صرف اتنی بات فرمائی گئی تھی کہ وہ پاکیزہ رزق نہیں ہے (النحل، آیت ۶۷)، پھر فرمایا کہ اس کا گناہ اس کے فائدے سے زیادہ ہے (البقرہ، ۲۱۹)، پھر حکم دیا گیا کہ نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ (النساء، ۴۳)، پھر اس کی قطعی حرمت کا فیصلہ کر دیا گیا۔ اسی طرح یہاں سود کے متعلق صرف اتنا کہنے پر اکتفا کیا گیا ہے کہ یہ وہ چیز نہیں ہے جس سے دولت کی افزائش ہوتی ہو، بلکہ حقیقی افزائش زکوٰۃ سے ہوتی ہے۔ اس کے بعد سود در سود کو منع کیا گیا۔ (آلِ عمران، آیت ۱۳۰) اور سب سے آخر میں بجائے خود سود ہی کی قطعی حرمت کا فیصلہ کر دیا گیا۔ (البقرہ، آیت ۲۷۵)

۶۰- اس بڑھوتری کے لیے کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ جتنی خالص نیت اور جتنے گہرے جذبۂ ایثار اور جس قدر شدید طلبِ رضائے الٰہی کے ساتھ کوئی شخص راہِ خدا میں مال صَرف کرے گا، اسی قدر اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ سے زیادہ اجر دے گا۔ چنانچہ ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ اگر ایک شخص راہِ خدا میں ایک کھجور بھی دے تو اللہ تعالیٰ اس کو بڑھا کر اُحد پہاڑ کے برابر کر دیتا ہے۔

۶۱- یہاں سے پھر کفار و مشرکین کو سمجھانے کے لیے سلسلۂ کلام توحید و آخرت کے مضمون کی طرف پھر جاتا ہے۔

QuranUrdu.com

يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۱﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ ۭ كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ﴿۴۲﴾ فَاَقِمْ وَجْهَكَ
لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ يَوْمَىِٕذٍ
يَّصَّدَّعُوْنَ ﴿۴۳﴾ مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا

بازآئیں[۶۴]۔ (اے نبیؐ!) ان سے کہو کہ زمین میں چل پھر کر دیکھو پہلے گزرے ہوئے لوگوں کا کیا انجام ہو چکا ہے، ان میں سے اکثر مشرک ہی[۶۵] تھے۔ پس (اے نبیؐ!) اپنا رُخ مضبوطی کے ساتھ جما دو اِس دینِ راست کی سمت میں، قبل اُس کے کہ وہ دن آئے جس کے ٹل جانے کی صورت اللہ کی طرف سے نہیں ہے[۶۶]۔ اُس دن لوگ پھٹ کر ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں گے۔ جس نے کفر کیا ہے اس کے کفر کا وبال اسی پر ہے[۶۷]، اور جن لوگوں نے نیک عمل کیا ہے

۶۲ – یعنی زمین میں تمھارے رزق کے لیے جملہ وسائل فراہم کیے اور ایسا انتظام کر دیا کہ رزق کی گردش سے ہر ایک کو کچھ نہ کچھ حصّہ پہنچ جائے۔

۶۳ – یعنی اگر تمھارے بنائے ہوئے معبودوں میں سے کوئی بھی نہ پیدا کرنے والا ہے، نہ رزق دینے والا، نہ موت وزیست اس کے قبضۂ قدرت میں ہے، اور نہ مرجانے کے بعد وہ کسی کو زندہ کر دینے پر قادر ہے، تو آخر یہ لوگ ہیں کس مرض کی دوا کہ تم نے اِنھیں معبود بنا لیا؟

۶۴ – یہ پھر اُس جنگ کی طرف اشارہ ہے جو اُس وقت روم وایران کے درمیان برپا تھی، جس کی آگ نے پورے شرقِ اَوسط کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ ”لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی“ سے مراد وہ فسق و فجور اور ظلم وجَور ہے جو شرک یا دہریّت کا عقیدہ اختیار کرنے اور آخرت کو نظر انداز کر دینے سے لازماً انسانی اَخلاق و کردار میں رونما ہوتا ہے۔ ”شاید کہ وہ باز آئیں“ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت کی سزا سے پہلے اِس دنیا میں انسانوں کو ان کے تمام اعمال کا نہیں بلکہ بعض اعمال کا بُرا نتیجہ اس لیے دکھاتا ہے کہ وہ حقیقت کو سمجھیں اور اپنے تخیُّلات کی غلطی کو محسوس کر کے اُس عقیدۂ صالحہ کی طرف رُجوع کریں جو انبیا علیہم السلام ہمیشہ سے انسان کے سامنے پیش کرتے چلے آ رہے ہیں، جس کو اختیار کرنے کے سوا انسانی اعمال کو صحیح بنیاد پر قائم کرنے کی کوئی دوسری صورت نہیں ہے۔ یہ مضمون قرآنِ مجید میں متعدّد مقامات پر بیان ہوا ہے۔ مثال کے طور پر مُلاحظہ ہو: التوبہ، آیت ۱۲۶۔ الرعد، ۳۱۔ السجدہ، ۲۱۔ الطّور، ۴۷۔

QuranUrdu.com

فَلِاَنۡفُسِهِمۡ يَمۡهَدُوۡنَ ۞ لِيَجۡزِىَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
مِنۡ فَضۡلِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الۡكٰفِرِيۡنَ ۞ وَمِنۡ اٰيٰتِهٖۤ اَنۡ يُّرۡسِلَ الرِّيَاحَ
مُبَشِّرٰتٍ وَّلِيُذِيۡقَكُمۡ مِّنۡ رَّحۡمَتِهٖ وَلِتَجۡرِىَ الۡفُلۡكُ بِاَمۡرِهٖ وَ
لِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ وَلَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ۞ وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ
قَبۡلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوۡمِهِمۡ فَجَآءُوۡهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ فَانۡتَقَمۡنَا مِنَ الَّذِيۡنَ

وہ اپنے ہی لیے فلاح کا راستہ صاف کر رہے ہیں، تاکہ اللہ ایمان لانے والوں اور عملِ صالح کرنے والوں کو اپنے فضل سے جزا دے۔ یقیناً وہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔

اُس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ ہوائیں بھیجتا ہے بشارت دینے کے لیے[۶۸] اور تمھیں اپنی رحمت سے بہرہ مند کرنے کے لیے اور اس غرض کے لیے کہ کشتیاں اس کے حکم سے چلیں[۶۹] اور تم اس کا فضل تلاش کرو[۷۰] اور اس کے شکر گزار بنو۔ اور ہم نے تم سے پہلے رسولوں کو ان کی قوم کی طرف بھیجا اور وہ ان کے پاس روشن نشانیاں لے کر آئے[۷۱]، پھر جنھوں نے جرم کیا[۷۲]

۶۵ – یعنی روم و ایران کی تباہ کُن جنگ آج کوئی نیا حادثہ نہیں ہے۔ پچھلی تاریخ بڑی بڑی قوموں کی تباہی و بربادی کے ریکارڈ سے بھری ہوئی ہے۔ اور ان سب قوموں کو جن خرابیوں نے برباد کیا اُن سب کی جڑ یہی شرک تھا جس سے باز آنے کے لیے آج تم سے کہا جا رہا ہے۔

۶۶ – یعنی جس کو نہ اللہ تعالیٰ خود ٹالے گا اور نہ اس نے کسی کے لیے ایسی کسی تدبیر کی کوئی گنجایش چھوڑی ہے کہ وہ اسے ٹال سکے۔

۶۷ – یہ ایک جامع فقرہ ہے جو تمام اُن مضرّتوں کو اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے جو کافر کو اپنے کفر کی بدولت پہنچ سکتی ہیں۔ مضرّتوں کی کوئی مفصّل فہرست بھی اتنی جامع نہیں ہو سکتی۔

۶۸ – یعنی بارانِ رحمت کی خوش خبری دینے کے لیے۔

۶۹ – یہ ایک اور قسم کی ہواؤں کا ذکر ہے جو جہاز رانی میں مددگار ہوتی ہیں۔ قدیم زمانے کی بادبانی کشتیوں اور جہازوں کا سفر زیادہ تر بادِ موافق پر منحصر تھا اور بادِ مخالف ان کے لیے تباہی کا پیش خیمہ ہوتی تھی۔ اس لیے بارش

QuranUrdu.com

اَجۡرَمُوۡا ؕ وَكَانَ حَقًّا عَلَيۡنَا نَصۡرُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۴۷﴾ اَللّٰهُ الَّذِىۡ يُرۡسِلُ
الرِّيٰحَ فَتُثِيۡرُ سَحَابًا فَيَبۡسُطُهٗ فِى السَّمَآءِ كَيۡفَ يَشَآءُ وَيَجۡعَلُهٗ
كِسَفًا فَتَرَى الۡوَدۡقَ يَخۡرُجُ مِنۡ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَاۤ اَصَابَ بِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ
مِنۡ عِبَادِهٖۤ اِذَا هُمۡ يَسۡتَبۡشِرُوۡنَ ۚ﴿۴۸﴾ وَاِنۡ كَانُوۡا مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ يُّنَزَّلَ
عَلَيۡهِمۡ مِّنۡ قَبۡلِهٖ لَمُبۡلِسِيۡنَ ﴿۴۹﴾ فَانۡظُرۡ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحۡمَتِ اللّٰهِ

اُن سے ہم نے انتقام لیا اور ہم پر یہ حق تھا کہ ہم مومنوں کی مدد کریں۔

اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے اور وہ بادل اُٹھاتی ہیں، پھر وہ اِن بادلوں کو آسمان میں پھیلاتا ہے جس طرح چاہتا ہے اور انھیں ٹکڑیوں میں تقسیم کرتا ہے، پھر تُو دیکھتا ہے کہ بارش کے قطرے بادل میں سے ٹپکے چلے آتے ہیں۔ یہ بارش جب وہ اپنے بندوں میں سے جن پر چاہتا ہے برساتا ہے تو یکایک وہ خوش وخرم ہو جاتے ہیں، حالانکہ اس کے نُزول سے پہلے وہ مایوس ہو رہے تھے۔ دیکھو! اللہ کی رحمت کے اثرات

لانے والی ہواؤں کے بعد ان ہواؤں کا ذکر ایک نعمتِ خاص کی حیثیت سے کیا گیا ہے۔

۷۰ – یعنی تجارت کے لیے سفر کرو۔

۷۱ – یعنی ایک قسم کی نشانیاں تو وہ ہیں جو کائناتِ فطرت میں ہر طرف پھیلی ہوئی ہیں، جن سے انسان کو اپنی زندگی میں ہر آن سابقہ پیش آتا ہے، جن میں سے ایک ہواؤں کی گردش کا یہ نظام ہے جس کا اُوپر کی آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔ اور دوسری قسم کی نشانیاں وہ ہیں جو انبیا علیہم السلام معجزات کی صورت میں، کلامِ الٰہی کی صورت میں، اپنی غیر معمولی پاکیزہ سیرت کی شکل میں، اور انسانی معاشرے پر اپنی حیات بخش تاثیرات کی شکل میں لے کر آئے۔ یہ دونوں قسم کی نشانیاں ایک ہی حقیقت کی نشان دہی کرتی ہیں، اور وہ یہ ہے کہ جس توحید کی تعلیم انبیاؑ دے رہے ہیں، وہی برحق ہے۔ ان میں سے ہر نشانی دوسری کی مؤیّد ہے۔ کائنات کی نشانیاں انبیاؑ کے بیان کی صداقت پر شہادت دیتی ہیں اور انبیاؑ کی لائی ہوئی نشانیاں اُس حقیقت کو کھولتی ہیں جس کی طرف کائنات کی نشانیاں اشارے کر رہی ہیں۔

QuranUrdu.com

كَيْفَ يُحْيِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰى
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۵۰ وَلَىِٕنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا
مِنْۢ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ ۝۵۱ فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ

کہ مُردہ پڑی ہوئی زمین کو وہ کس طرح جِلا اُٹھاتا ہے[۷۳]، یقیناً وہ مُردوں کو زندگی بخشنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور اگر ہم ایک ایسی ہوا بھیج دیں جس کے اثر سے وہ اپنی کھیتی کو زرد پائیں[۷۴] تو وہ کفر کرتے رہ جاتے ہیں[۷۵]۔ (اے نبیؐ!) تم مُردوں کو نہیں سنا سکتے[۷۶]، نہ اُن بہروں کو اپنی پکار

۷۲ – یعنی جو لوگ ان دونوں نشانیوں کی طرف سے اندھے بن کر توحید سے انکار پر جمے رہے اور خدا سے بغاوت ہی کیے چلے گئے۔

۷۳ – یہاں جس انداز سے نبوت اور بارش کا ذکر یکے بعد دیگرے کیا گیا ہے، اس میں ایک لطیف اشارہ اس حقیقت کی طرف بھی ہے کہ نبی کی آمد بھی انسان کی اَخلاقی زندگی کے لیے ویسی ہی رحمت ہے جیسی بارش کی آمد اس کی مادّی زندگی کے لیے رحمت ثابت ہوتی ہے۔ جس طرح آسمانی بارش کے نُزول سے مُردہ پڑی ہوئی زمین یکایک جی اُٹھتی ہے اور اس میں کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں، اسی طرح آسمانی وحی کا نُزول اَخلاق و روحانیت کی ویران پڑی ہوئی دنیا کو جِلا اُٹھاتا ہے اور اس میں فضائل و محامد کے گلزار لہلہانے شروع ہو جاتے ہیں۔ یہ کفار کی اپنی بدقسمتی ہے کہ خدا کی طرف سے یہ نعمت جب ان کے ہاں آتی ہے تو وہ اس کا کفران کرتے ہیں اور اس کو اپنے لیے مژدۂ رحمت سمجھنے کے بجائے پیامِ موت سمجھ لیتے ہیں۔

۷۴ – یعنی بارانِ رحمت کے بعد جب کھیتیاں سرسبز ہو چکی ہوں اس وقت اگر کوئی ایسی سخت سرد یا سخت گرم ہوا چل پڑے جو ہری بھری فصلوں کو جلا کر رکھ دے۔

۷۵ – یعنی پھر وہ خدا کو کوسنے لگتے ہیں اور اس پر الزام رکھنے لگتے ہیں کہ اس نے یہ کیسی مصیبتیں ہم پر ڈال رکھی ہیں۔ حالانکہ جب خدا نے ان پر نعمت کی بارش کی تھی، اس وقت انھوں نے شکر کے بجائے اس کی ناقدری کی تھی۔ یہاں پھر ایک لطیف اشارہ اس مضمون کی طرف ہے کہ جب خدا کے رسول اس کی طرف سے پیامِ رحمت لاتے ہیں تو لوگ ان کی بات نہیں مانتے اور اس نعمت کو ٹھکرا دیتے ہیں۔ پھر جب ان کے کفر کی پاداش میں خدا ان پر ظالموں اور جبّاروں کو مسلّط کر دیتا ہے اور وہ جَور و ستم کی چکی میں انھیں پیستے ہیں اور جوہرِ آدمیّت کا قَلع قَمع کر ڈالتے ہیں، تو وہی لوگ خدا کو گالیاں دینا شروع کر دیتے ہیں اور اسے الزام دیتے ہیں کہ اس نے یہ کیسی ظلم سے بھری ہوئی دنیا بنا ڈالی ہے۔

QuranUrdu.com

الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ
اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۵۳﴾ ع اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ
مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ
ضُعْفًا وَّشَيْبَةً ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ ﴿۵۴﴾

ع ۵ ۱۳ ۸

قرء حفص بضم الضاد وفتحها فی الثلاثة لکن الضم مختارۃ

سُنا سکتے ہو جو پیٹھ پھیرے چلے جا رہے ہوں[۷۷]، اور نہ تم اندھوں کو ان کی گمراہی سے نکال کر راہِ راست دکھا سکتے ہو[۷۸]۔ تم تو صرف انھی کو سُنا سکتے ہو جو ہماری آیات پر ایمان لاتے اور سرِ تسلیم خم کر دیتے ہیں۔ ع

اللہ ہی تو ہے جس نے ضعف کی حالت سے تمھاری پیدائش کی ابتدا کی، پھر اس ضعف کے بعد تمھیں قوت بخشی، پھر اس قوت کے بعد تمھیں ضعیف اور بوڑھا کر دیا۔ وہ جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے[۷۹]۔ اور وہ سب کچھ جاننے والا، ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

۷۶ – یہاں مُردوں سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے ضمیر مر چکے ہیں، جن کے اندر اَخلاقی زندگی کی رمق بھی باقی نہیں رہی ہے، جن کی بندگیِ نفس اور ضد اور ہٹ دھرمی نے اُس صلاحیت ہی کا خاتمہ کر دیا ہے جو آدمی کو حق بات سمجھنے اور قبول کرنے کے قابل بناتی ہے۔

۷۷ – بہروں سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے دلوں پر ایسے قفل چڑھا رکھے ہیں کہ سب کچھ سن کر بھی وہ کچھ نہیں سنتے۔ پھر جب ایسے لوگ یہ کوشش بھی کریں کہ دعوتِ حق کی آواز سرے سے ان کے کان میں پڑنے ہی نہ پائے، اور داعی کی شکل دیکھتے ہی دُور بھاگنا شروع کر دیں، تو ظاہر ہے کہ کوئی انھیں کیا سنائے اور کیسے سنائے؟

۷۸ – یعنی نبی کا کام یہ تو نہیں ہے کہ اندھوں کا ہاتھ پکڑ کر انھیں ساری عمر راہِ راست پر چلاتا رہے۔ وہ تو راہِ راست کی طرف رہنمائی ہی کر سکتا ہے۔ مگر جن لوگوں کی ہیے کی آنکھیں پھوٹ چکی ہوں اور جنھیں وہ راستہ نظر ہی نہ آتا ہو جو نبی انھیں دکھانے کی کوشش کرتا ہے، ان کی رہنمائی کرنا نبی کے بس کا کام نہیں ہے۔

۷۹ – یعنی بچپن، جوانی اور بڑھاپا، یہ ساری حالتیں اسی کی پیدا کردہ ہیں۔ یہ اسی کی مَشِیّت پر موقوف

QuranUrdu.com

وَيَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَةُ يُقۡسِمُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ ۙ مَا لَبِثُوۡا غَيۡرَ
سَاعَةٍ‌ ؕ كَذٰلِكَ كَانُوۡا يُؤۡفَكُوۡنَ ﴿۵۵﴾ وَقَالَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا
الۡعِلۡمَ وَالۡاِيۡمَانَ لَقَدۡ لَبِثۡتُمۡ فِىۡ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوۡمِ الۡبَعۡثِ‌
فَهٰذَا يَوۡمُ الۡبَعۡثِ وَلٰـكِنَّكُمۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۵۶﴾ فَيَوۡمَئِذٍ لَّا
يَنۡفَعُ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا مَعۡذِرَتُهُمۡ وَلَا هُمۡ يُسۡتَعۡتَبُوۡنَ ﴿۵۷﴾

اور جب وہ ساعت برپا[۸۰] ہوگی تو مجرم قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ہم ایک گھڑی بھر سے زیادہ نہیں ٹھیرے ہیں،[۸۱] اِسی طرح وہ دنیا کی زندگی میں دھوکا کھایا کرتے تھے۔[۸۲] مگر جو علم اور ایمان سے بہرہ مند کیے گئے تھے وہ کہیں گے کہ خدا کے نوِشتے میں تو تم روزِ حشر تک پڑے رہے ہو، سو یہ وہی روزِ حشر ہے، لیکن تم جانتے نہ تھے۔ پس وہ دن ہوگا جس میں ظالموں کو ان کی معذرت کوئی نفع نہ دے گی اور نہ ان سے معافی مانگنے کے لیے کہا جائے گا۔[۸۳]

ہے کہ جسے چاہے کمزور پیدا کرے اور جس کو چاہے طاقت ور بنائے، جسے چاہے بچپن سے جوانی تک نہ پہنچنے دے اور جس کو چاہے جوانا مرگ کر دے، جسے چاہے لمبی عمر دے کر بھی تندرست و توانا رکھے اور جس کو چاہے شاندار جوانی کے بعد بڑھاپے میں اس طرح ایڑیاں رگڑوائے کہ دنیا اسے دیکھ کر عبرت کرنے لگے۔ انسان اپنی جگہ جس گھمنڈ میں چاہے مبتلا ہوتا رہے، مگر خدا کے قبضۂ قدرت میں وہ اِس طرح بے بس ہے کہ جو حالت بھی خدا اس پر طاری کر دے، اسے وہ اپنی کسی تدبیر سے نہیں بدل سکتا۔

۸۰ – یعنی قیامت، جس کے آنے کی خبر دی جا رہی ہے۔

۸۱ – یعنی مرنے کے وقت سے قیامت کی اُس گھڑی تک۔ ان دونوں ساعتوں کے درمیان چاہے دس بیس ہزار برس ہی گزر چکے ہوں، مگر وہ یہ محسوس کریں گے کہ چند گھنٹے پہلے ہم سوئے تھے اور اب اچانک ایک حادثے نے ہمیں جگا اُٹھایا ہے۔

۸۲ – یعنی ایسے ہی غلط اندازے یہ لوگ دنیا میں بھی لگاتے تھے۔ وہاں بھی یہ حقیقت کے

QuranUrdu.com

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَلَئِنْ
جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ﴿۵۸﴾
كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۹﴾ فَاصْبِرْ
اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع

ہم نے اِس قرآن میں لوگوں کو طرح طرح سے سمجھایا ہے۔ تم خواہ کوئی نشانی لے آؤ، جن لوگوں نے ماننے سے انکار کر دیا ہے وہ یہی کہیں گے کہ تم باطل پر ہو۔ اِس طرح ٹھپّا لگا دیتا ہے اللہ اُن لوگوں کے دلوں پر جو بے علم ہیں۔ پس (اے نبیؐ!) صبر کرو، یقیناً اللہ کا وعدہ سچّا ہے،[۸۴] اور ہرگز ہلکا نہ پائیں تم کو وہ لوگ جو یقین نہیں لاتے۔[۸۵] ع

اِدراک سے محروم تھے۔ اسی وجہ سے یہ حکم لگایا کرتے تھے کہ کوئی قیامت ویامت نہیں آنی، مرنے کے بعد کوئی زندگی نہیں، اور کسی خدا کے سامنے حاضر ہو کر ہمیں حساب نہیں دینا۔

۸۳ – دوسرا ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے: ”نہ ان سے یہ چاہا جائے گا کہ اپنے رب کو راضی کرو“، اس لیے کہ توبہ اور ایمان اور عملِ صالح کی طرف رُجوع کرنے کے سارے مواقع کو وہ کھو چکے ہوں گے اور امتحان کا وقت ختم ہو کر فیصلے کی گھڑی آ چکی ہو گی۔

۸۴ – اشارہ ہے اُس وعدے کی طرف جو اُوپر آیت ۴۷ میں گزر چکا ہے۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی یہ سنت بیان کی ہے کہ جن لوگوں نے بھی اللہ کے رسولوں کی لائی ہوئی بیّنات کا مقابلہ تکذیب وتضحیک اور ہٹ دھرمی کے ساتھ کیا ہے، اللہ نے ایسے مجرموں سے ضرور انتقام لیا ہے (فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا)، اور اللہ پر یہ حق ہے کہ مومنوں کی نُصرت فرمائے (وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ)۔

۸۵ – یعنی دشمن تم کو ایسا کمزور نہ پائیں کہ ان کے شور وغوغا سے تم دب جاؤ، یا ان کی بہتان و افترا کی مہم سے تم مرعوب ہو جاؤ، یا ان کی پھبتیوں اور طعنوں اور تضحیک و استہزا سے تم پست ہمّت ہو جاؤ، یا ان کی دھمکیوں اور طاقت کے مظاہروں اور ظلم وستم سے تم ڈر جاؤ، یا ان کے دیے ہوئے لالچوں سے تم پھسل جاؤ، یا قومی مفاد کے نام پر جو اپیلیں وہ تم سے کر رہے ہیں، ان کی بنا پر تم ان کے ساتھ مُصالَحت کر لینے پر اُتر آؤ۔

QuranUrdu.com

اس کے بجائے وہ تم کو اپنے مقصد کے شعور میں اتنا ہوش مند، اور اپنے یقین و ایمان میں اتنا پختہ، اور اپنے عزم میں اتنا راسخ، اور اپنے کیرکٹر میں اتنا مضبوط پائیں کہ نہ کسی خوف سے تمھیں ڈرایا جا سکے، نہ کسی قیمت پر تمھیں خریدا جا سکے، نہ کسی فریب سے تم کو پھسلایا جا سکے، نہ کوئی خطرہ یا نقصان یا تکلیف تمھیں اپنی راہ سے ہٹا سکے، اور نہ دین کے معاملے میں کسی لین دین کا سودا تم سے چکایا جا سکے۔ یہ سارا مضمون اللہ تعالیٰ کے کلامِ بلاغت نظام نے اس ذرا سے فقرے میں سمیٹ دیا ہے کہ ''یہ بے یقین لوگ تم کو ہلکا نہ پائیں۔'' اب اس بات کا ثبوت تاریخ کی بے لاگ شہادت دیتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا پر ویسے ہی بھاری ثابت ہوئے جیسا اللہ اپنے آخری نبیؐ کو بھاری بھرکم دیکھنا چاہتا تھا۔ آپؐ سے جس نے جس میدان میں بھی زور آزمائی کی، اس نے اُسی میدان میں مات کھائی اور آخر اس شخصیّتِ عُظمیٰ نے وہ انقلاب برپا کر کے دکھا دیا جسے روکنے کے لیے عرب کے کفر و شرک نے اپنی ساری طاقت صَرف کر دی اور اپنے سارے حربے استعمال کر ڈالے۔